Scanned by CamScanner

حافظ عبد القدوس قارن مدرس
مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مولانا ارشاد الحق صاحب اثری کے علمی جائزہ کا تحقیقی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ اما بعد
مسلک اہل حدیث کے ایک جریدہ ہفت روزہ الاعتصام ربیع الاول ۱۴۱۷ھ میں غیر مقلدین حضرات کے نامور قلمکار مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کا ایک مضمون تین قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ جس کا عنوان انہوں نے علامہ الکوثری کے بدعی افکار قائم کیا۔ جس کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوئی کہ اس مضمون کا مقصد کسی علمی مسئلہ کی تحقیق یا خیر خواہی پر مبنی تنقید نہیں بلکہ محض علامہ کوثری" کی کردار کشی ہے یہی وجہ ہے کہ اس مضمون میں زیر بحث لائے جانے والے ہر مسئلہ میں انتہائی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ اس طرز تنقید کی حوصلہ شکنی کے لیے احقر نے محترم جناب اثری صاحب کے اس مضمون کا تفصیلی جواب لکھا جو ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ محرم ۱۴۱۸ھ میں احناف دشمنی کا خمار یا علامہ الکوثری" کے بدعی افکار کے عنوان سے شائع ہوا۔ محترم اثری صاحب نے اپنے مضمون کے دفاع اور ہمارے مضمون کے جواب میں پھر الاعتصام میں علامہ کوثری" کے بدعی افکار کے دفاع کا علمی جائزہ کے عنوان سے پانچ قسطوں میں مضمون شائع کیا جس میں بفضلہ تعالیٰ انہوں نے کئی باتوں میں دبے لہجہ میں ہمارے موقف کی تائید اور اپنے مضمون کی کمزوری کو تسلیم کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے بحث کو ہمارے مضمون کے علمی جائزہ کے دائرہ میں ہی رکھنے کی بجائے خواہ مخواہ ادھر ادھر کی باتیں بڑھا کر اپنے مضمون کو طوالت دی تاکہ کہا جاسکے کہ پانچ قسطوں میں علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے حالانکہ اس مضمون کے ایک طویل حصہ میں بالکل زائد اور نئی ابحاث چھیڑ کر مسئلہ کو الجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور متعلقہ امور میں بحث کرتے ہوئے بھی خواہ مخواہ طوالت سے کام لیا گیا ہے جبکہ اثری صاحب کا حق اور اخلاقی فریضہ یہی تھا کہ کسی نئی بحث اور مسئلہ کو ذکر کئے بغیر ہمارے مضمون کا ہی علمی جائزہ پیش کرتے جیسا کہ انہوں نے عنوان قائم کیا تھا مگر بحث کو الجھا کر اصل مسئلہ سے توجہ ہٹا کر ہی ان کا الو سیدھا

ہوتا تھا اس لیے انہوں نے یہی کام سرانجام دیا۔ ہم نے اپنے پہلے مضمون میں بھی کہا اور اب بھی کہتے ہیں کہ محترم اثری صاحب کو کئی مسائل میں علامہ کوثریؒ کے ساتھ واقعی اختلاف ہے وہ ان مسائل میں ان کا رد کرکے بھی اپنا چسکہ پورا کرسکتے تھے اور اپنے حلقہ سے داد تحسین وصول کرسکتے تھے۔ ان کو غلط بیانی کا سہارا نہیں لینا چاہئے تھا۔ اور ہم نے محترم اثری صاحب کے مضمون میں سے ان کی غلط بیانیاں واضح کیں۔ جن کا جواب دینے سے وہ یکسر قاصر رہے بلکہ بعض باتوں کو دبے لہجہ میں تسلیم کرلیا۔

کتاب التوحید کو کتاب الشرک قرار دیا

محترم اثری صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ علامہ کوثریؒ نے امام ابن خزیمہؒ کی کتاب التوحید کو کتاب الشرک قرار دیا ہے حالانکہ خود انہوں نے اس کتاب کو صحیح ابن خزیمہ کا حصہ قرار دیا ہے الخ ہم نے اس کے جواب میں لکھا کہ محترم اثری صاحب نے جو حوالہ جات دیئے ہیں ان مذکورہ صفحات میں قطعاً یہ بات نہیں ہے کہ علامہ کوثریؒ نے کتاب التوحید کو کتاب الشرک قرار دیا ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ علامہ کوثریؒ نے کتاب التوحید کو صحیح ابن خزیمہ کا حصہ قرار دیا ہے۔ ہماری اس گرفت کے جواب میں محترم اثری صاحب نے علمی جائزہ میں یہ تسلیم کیا کہ جو حوالہ جات انہوں نے دیئے تھے وہ درست نہ تھے۔ مگر اپنی خفت مٹانے کے لیے مقالات کوثری سے دو عبارتیں پیش کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ قارن صاحب نے محض حوالہ جات کے صفحات بدل جانے کو جھوٹ سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ محترم اثری صاحب نے جس مقصد کے لیے یہ عبارات پیش کی ہیں وہ قطعاً حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں عبارتیں محترم اثری صاحب کے موقف ہی کا رد کررہی ہیں۔ پہلی عبارت انہوں نے مقالات ص ۳۳۰ کی پیش کی ولهذين الكتابين ثالث مجلد ضخم يسميه مولفه ابن خزيمة كتاب التوحيد وهو عند محققي اهل العلم كتاب الشرك (الاعتصام ص ۱۸ ۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء) اس عبارت میں تو محترم اثری صاحب کی دو باتوں میں تردید ہو رہی ہے۔ اثری صاحب کا اصرار تھا کہ علامہ کوثریؒ نے کتاب التوحید کو صحیح ابن خزیمہ کا حصہ قرار دیا ہے حالانکہ اس عبارت میں تو ثالث مجلد کے الفاظ واضح کررہے ہیں کہ یہ مستقل کتاب ہے اور پھر یہ بھی صراحتاً مذکور ہے کہ اس

کے مولف ابن خزیمہ" نے اس کا نام کتاب التوحید رکھا ہے اگر علامہ کوثری" کے نزدیک یہ صحیح ابن خزیمہ کا حصہ ہوتی تو ثالث مجلد کہنے اور اس کا مستقل نام رکھنے کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اتنا ہی کافی تھا کہ یہ صحیح ابن خزیمہ کی کتاب التوحید ہے ۔ نیز محترم اثری صاحب نے دعوی کیا تھا کہ علامہ کوثری نے کتاب التوحید کو کتاب الشرک قرار دیا ہے حالانکہ اس عبارت سے تو واضح ہوتا ہے کہ علامہ کوثری یہ دعوی کر رہے ہیں کہ محققین اہل علم کے نزدیک یہ کتاب الشرک ہے اور اس کی دلیل انہوں نے دوسری عبارت میں دے دی جو خود محترم اثری صاحب نے ذکر کی ہے وعنه يقول صاحب النفسير الكبير فی تفسير قوله تعالیٰ ليس كمثله شيئی انه كتاب الشرک فلاحب ولا كرامة ۔ اور اس کتاب التوحید کے بارہ میں صاحب التفسیر الکبیر والے (امام رازی") نے لیس کمثله شیئی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ کتاب الشرک ہے ۔ اس عبارت میں علامہ کوثری" نے اپنے اس دعوی کی دلیل دے دی جو دعوی پہلی عبارت میں تھا کہ محققین میں سے امام رازی" نے اس کو کتاب الشرک کہا ہے ۔ اگر محترم اثری صاحب یوں فرماتے کہ علامہ کوثری" نے ابن خزیمہ" کی کتاب التوحید کو کتاب الشرک کہنے والوں کی تائید کی ہے تو عبارت کا پیش کرنا ان کے لیے سود مند ہوتا مگر انہوں نے تو یہ فرمایا کہ علامہ کوثری نے اس کو کتاب الشرک قرار دیا ہے اور پھر اس کو بدعی افکار کے تحت ذکر کرنے کا مقصد بھی یہ ہے کہ صرف علامہ کوثری نے ہی کہا ہے حالانکہ وہ تو امام رازی" کی تفسیر کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں ۔ اتنی واضح عبارت کے باوجود محترم اثری صاحب کا اس کو بدعی افکار کے تحت ذکر کرنا کہاں کی دیانت ہے ؟ اس کا فیصلہ خود قارئین کرام فرمائیں ۔

کتاب السنہ کو کتاب الزیغ کہا

محترم اثری صاحب نے لکھا تھا کہ علامہ کوثری" نے امام احمد" کے بیٹے عبد اللہ" کی کتاب السنہ کو کتاب الزیغ کہا ہے ۔ اس پر ہم نے اپنے مضمون میں واضح کیا کہ علامہ کوثری" نے خود فرمایا ہے کہ ہم کتاب السنہ کی بعض عبارات پیش کرتے ہیں تاکہ اس کے مولف کے والد (امام احمد") کی شہرت کی وجہ سے لوگ غلطی کا شکار نہ ہو جائیں اور انہوں نے کئی عبارات پیش بھی کی ہیں ۔ اور یہ ایک قسم کی خیر خواہی کی بات ہے مگر محترم اثری صاحب کو

میں ائمہ کے تعریفی کلمات نقل کئے حالانکہ اس بارہ میں تو کوئی بحث ہی نہیں کہ امام احمدؒ یہ بات بھی پسند نہ آئی اور علمی جائزہ میں بحث کو خواہ مخواہ طول دیا اور امام عبد اللہؒ کے بارہ سے انہوں نے کیا کچھ سیکھا اور علم حدیث میں ان کا کیا مقام ہے بلکہ بحث تو ان کی کتاب السنہ میں بیان کردہ بعض مسائل میں ہے۔ پھر محترم اثری صاحب اپنے جوش تحریر میں یوں چیلنج پر اتر آئے اور لکھا کہ علامہ کوثری تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہم جناب قارن صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ ذرا ہمت کریں اور بتلائیں کہ کتاب السنہ میں کونسا غلط عقیدہ ہے (الاعتصام ص ۱۹۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء) ہم اہل علم سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ علامہ کوثری کے اس مقالہ کو پڑھیں جس میں انہوں نے خود حوالے دیئے ہیں اور اغلاط کی نشاندھی کی ہے ۔ جب علامہ کوثریؒ نے خود یہ کام کردیا ہے تو محترم اثری صاحب کا قارن کو ہمت کرنے کی دعوت دینا کیا صرف اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنے کا ناکام بہانہ نہیں تو اور کیا ہے ؟ علامہ کوثریؒ نے باحوالہ لکھا ہے کہ کتاب السنہ میں ہے کہ رب تعالیٰ جب کرسی پر بیٹھتا ہے تو چار انگلی برابر جگہ بچ جاتی ہے ۔ اور رب تعالیٰ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنے پہلو میں اپنے رسول کے لیے جگہ چھوڑتا ہے ۔ نیز رب تعالیٰ کی آواز کو رعد کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے (ملاحظہ ہو مقالات ص ۳۲۵ تا ص ۳۲۷) کیا یہ عقیدہ سنت کے مطابق ہے اور کیا جمہور اہل السنت والجماعت اور محدثین کرامؒ اس کے قائل ہیں علامہ کوثریؒ نے اگر ان جیسی عبارات کو ملحوظ رکھ کر اس کتاب کو کتاب الزیغ (راہ راست سے ہٹی ہوئی) کہہ دیا ہے تو کونسا جرم کردیا ہے ؟ پھر تعجب کی بات ہے کہ اس کتاب السنہ سے مکمل طور پر متفق اور مطمئن خود محترم اثری صاحب بھی نہیں ہیں وہ خود لکھتے ہیں امام عبد اللہ بن احمد نے کتاب السنہ میں دیگر مسائل سنہ کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کی بھی وضاحت فرمائی اور الرد علی الجھمیہ کے مستقل عنوان سے اس کی تفصیل بیان کی ۔ اس باب کی بعض روایات پر بلاشبہ کلام ہے کیونکہ اس میں انہوں نے صحت کا الزام نہیں کیا (الاعتصام ص ۱۹۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء) جب خود محترم اثری صاحب کو اعتراف ہے کہ صحت کا الزام نہیں کیا تو پھر اس کتاب کی غیر صحیح باتوں کی وجہ سے اس کو کتاب الزیغ کہنے سے کیوں غصہ میں آپے سے باہر ہوگئے ہیں۔

قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر مسجدیں وغیرہ تعمیر کرنے کا مسئلہ

اپنے مضمون میں محترم اثری صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ علامہ کوثری" کے نزدیک قبروں کو پختہ بنانا جائز ہے۔ جب ہم نے اس کا تعاقب کیا اور علامہ کوثری" کی عبارات کی روشنی میں ثابت کیا کہ علامہ کوثری قطعاً" قبروں کو پختہ بنانے یا ان پر عمارات تعمیر کرنے کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو مختلف ائمہ کے اقوال اور روایات میں تطبیق دیتے ہوئے آخری درجہ میں پہنچ کر بھی حدیث میں نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں تو بفضلہ تعالیٰ محترم اثری صاحب کو یہ تسلیم کرنا پڑا مگر بات کا رخ دوسری طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں علامہ کوثری نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر قبوں اور عمارتوں کو تعمیر کرنے کی ممانعت کو جو نہی تنزیہہ پر محمول کیا ہے یہ بھی حنفی مذہب کے خلاف۔ (الاعتصام ص ۹۔ ۲۳ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ) در اصل علامہ کوثری نے قبروں کے پختہ بنانے یا نہ بنانے کے بارہ میں نہیں بلکہ جن قبروں کو پختہ بنادیا گیا ہے ان کو گرانے کے بارہ میں بحث کی ہے اور غیر مقلدین میں سے جو طبقہ اس بارہ میں سخت رویہ رکھتا ہے اس کا انہوں نے رد کیا ہے۔ اسی بحث کے دوران ہم نے اپنے مضمون میں لکھا کہ متشددانہ نظریہ امیر صنعانی اور قاضی شوکانی" کا ہے۔ اس پر محترم اثری صاحب نے توجہ دلائی کہ اس مسئلہ میں امیر یمانی قاضی شوکانی" کے ہمنوا نہیں ہیں تو ہم کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قاضی شوکانی" کے ساتھ امیر یمانی کا ذکر کرنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے مگر اصل بحث اپنی جگہ موجود ہے کہ یہ متشددانہ نظریہ امیر یمانی کا نہ سہی قاضی شوکانی" غیر مقلد کا تو ہے اور اسی متشددانہ نظریہ کی تردید علامہ کوثری" نے کی ہے۔ بلکہ خود محترم اثری صاحب کو اعتراف ہے کہ امیر یمانی" اور برصغیر کے نامور عالم مولانا محمد حسین بٹالوی" کو بھی اس مسئلہ میں قاضی شوکانی سے اختلاف ہے (ملاحظہ ہو ہفت روزہ الاعتصام ص ۱۳۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء ملخصاً") باقی رہا یہ کہ علامہ کوثریؒ نے اس بارہ میں ممانعت والی حدیث میں نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے حالانکہ دیگر حضرات اس کو مکروہ تحریمی پر محمول کرتے ہیں تو اس کو بدعی فکر سے تعبیر کرنے کی بجائے اس مسئلہ میں ان کا تفرد بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عموم بلوی اور قرن در قرن ان قبوں اور عمارتوں کے پائے جانے کیوجہ سے ان کے گرانے کے بارہ میں دوسرے علماء سے کچھ نرم رویہ رکھتے ہیں۔ اور بعض بعض مسائل میں اہل علم کے تفردات عموماً" پائے جاتے ہیں اور پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس بارہ میں وارد

احادیث کے مفہوم میں ائمہ نے اختلاف کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان احادیث کا مفہوم مجتہد فیہ ہے مبارکپوری" صاحب نے اس اختلاف کا تفصیل سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵۴ - ۱۵۵) اسی طرح قبر پر کوئی چیز لکھنے کے بارہ میں جب ایک غیر مقلد مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ لکھنا جائز ہے تو اس پر ان کا تعاقب کیا گیا کہ وان یکتب علیھا - نہی کی حدیث موجود ہے تو مفتی صاحب نے جواب دیا کہ آپ نے قبر کے لفظ پر غور نہیں کیا جو حدیث کا لفظ ہے قبر کوہانی شکل کا نام ہے پتھر اس سے الگ منفصل چیز ہے الخ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۲۷۷) اس عبارت سے واضح ہے کہ ان یکتب علیھا کی حدیث کے مفہوم میں غیر مقلد مفتی صاحب نے باقی علماء سے علیحدہ رائے اختیار کی ہے - ان احادیث میں مفہوم مجتہد فیہ ہونے کے باوجود حق اور راجح مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے مگر دوسرے نظریہ کے حامل ائمہ پر بدعی افکار کا لیبل نہیں لگایا جاتا بلکہ ان کے لیے مناسب الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اسی طرح قبور کو پختہ بنانے اور ان پر عمارات تعمیر کرنے کے بارہ میں حق مذہب جمہور ہی کا ہے کہ قبور کو پختہ بنانا اور ان پر عمارات تعمیر کرنا مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے اور سلطان اسلام پر ان کا گرانا واجب ہے مگر بڑے مفسدہ کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے علامہ کوثری" نے اگر اس میں اختلاف کیا ہے اور حدیث میں نہی کو تنزیہہ پر محمول کیا ہے تو ان پر بدعتی افکار کا لیبل لگانے کی بجائے مناسب الفاظ استعمال کرنا چاہییں - ہاں جو لوگ ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جس کا حدیث کے الفاظ اور مفہوم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ حدیث میں پائی جانے والی ممانعت کے بالکل عکس ہے تو اس کو بدعتی نظریہ ہی قرار دیا جائے گا جیسا کہ اہل بدعت کا نظریہ جو قبور کو پختہ بنانے اور ان پر عمارات تعمیر کرنے کو جائز اور مستحب سمجھتے ہیں حالانکہ حدیث میں اس کی نہی ہے - باقی محترم اثری صاحب نے راہ سنت ' اتمام البرہان اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کے جو حوالے دیئے ہیں وہ بالکل غیر متعلق ہیں وہ اثری صاحب کے لیے تب سود مند ہوتے جب کہ ہم نے ان کی مخالفت کی ہوتی محترم اثری صاحب نے بحث کا رخ دوسری جانب پھیرنے کی کوشش کی ہے اور خواہ مخواہ مضمون کو طول دیا ہے - ہم نے اپنے مضمون میں صراحت کی تھی کہ علامہ کوثری نے مختلف ائمہ کرام کے اقوال اس مسئلہ میں ذکر کرکے تطبیق کی یوں صورت پیش کی ہے ——— اور پھر ہم نے کہا کہ علامہ کوثری کی اس تطبیق سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور خود

ہیں بھی اختلاف ہے ۔ اس پر محترم اثری صاحب رقمطراز ہیں جب اختلاف ہے تو ان کی وکالت کا مقصد کیا ہے ؟ (الاعتصام ص ۹ ۔ ۲۳ جمادی الاولی ۱۴۱۸ ھ) محترم اثری صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ جس سے ذرا بھی اختلاف ہو اس کی وکالت نہیں کرنی چاہئے اس کو مخالفین کے سپرد کر دینا چاہئے وہ جیسے چاہیں اس کو تختہ مشق بنا لیں لا حول ولا قوۃ الا باللہ حالانکہ اہل علم اور ارباب دانش کا کبھی یہ طریق نہیں رہا بلکہ جس حد تک اختلاف ہو اسی میں اختلاف کیا جاتا ہے ۔ حیرانگی کی بات ہے کہ محترم اثری صاحب ہم پر اعتراض کرنے کے باوجود خود بھی اسی ڈگر پر چلتے ہیں مثلاً انہوں نے علامہ شوکانیؒ کے متعلق لکھا ان کے اس موقف کو درست قرار نہ بھی دیا جائے تو یہ ان کی اجتہادی خطا ہے مگروہ اس میں متفرد نہیں (الاعتصام ص ۱۴ ۔ ۳۰ جمادی الاولی ۱۴۱۸ ھ) محترم اثری صاحب علامہ شوکانیؒ کے موقف سے اختلاف اور پھر ان کی اجتہادی خطا قرار دے کر ان کا دفاع بھی کر رہے ہیں ۔ اگر اسی طرح ہم علامہ کوثری کی بیان کردہ تطبیق سے اختلاف کرتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ یہ ان کا تفرد ہے اس کو ان کے تفردات میں شمار کر لیا جائے مگر بدعی افکار کا لیبل لگا کر ان کی کردار کشی نہ کی جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے ؟

چوری اور سینہ زوری

ہم نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ بلند قبروں کو گرانا تو اثری صاحب کا اپنا حلقہ بھی واجب نہیں بلکہ مستحب سمجھتا ہے جیسا کہ مبارکپوری صاحب یستحب الھدم کے الفاظ نقل کرتے ہیں تو محترم اثری صاحب نے اپنے علمی جائزہ میں چوری اور سینہ زوری کا عنوان قائم کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قارن صاحب نے محدث مبارکپوری کا غلط حوالہ دیا ہے ۔ حالانکہ ہم نے حوالہ بقید صفحہ دیا تھا جو ہر آدمی تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵۴ میں دیکھ سکتا ہے ۔ اثری صاحب نے کمال ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے دو باب بعد کی ایک عبارت پیش کرکے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کی ہے جس میں ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ قبر کے اوپر جو عمارت بنائی جاتی ہے وہ جگہ اگر بنانے والے کی ملکیت ہو تو عمارت بنانا مکروہ ہے اور اگر عام قبرستان میں ہو تو حرام ہے ۔ اور علامہ شوکانیؒ نے اس تفصیل کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ ہر حال میں حرام ہے تو مبارکپوری صاحب اس مسئلہ

میں قاضی شوکانی کا ساتھ دیتے ہیں ۔ ہم نے جو عبارت پیش کی وہ اونچی بنائی گئی قبروں کو گرانے سے متعلق ہے اور باب ماجاء فی تسویۃ القبر میں ہے اور مبارکپوری صاحب نے پورے باب میں اس کا رد نہیں کیا جو ان کی تائید پر دال ہے اور محترم اثری صاحب نے جو عبارت پیش کی ہے وہ باب ماجاء فی کراھیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیھا کے باب میں ہے اور قبر پر بنائی گئی عمارات کے بارہ میں ہے اثری صاحب نے کمال ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو پہلی عبارت کے ساتھ پیوند لگا کر اعتراض کی بنیاد رکھی اور کہا کہ مبارکپوری صاحب علامہ شوکانی کا ساتھ دے رہے ہیں اور ان کے نزدیک قبروں کو بلند کرنا حرام ہے تو مبارکپوری صاحب کے نزدیک بھی حرام ہے اور حرام کا گرانا واجب ہے ۔ حالانکہ مبارکپوری صاحب کی یہ عبارت صرف امام شافعیؒ کی تفصیل کے مقابلہ میں قاضی شوکانی کی تائید میں ہے ورنہ یا تو وہ صراحت کرتے کہ تمام بحث میں ہماری تائید قاضی شوکانی کو ہے یا پھر آخر میں یہ فرماتے جو اس پر دلالت کرتا کہ تمام بحث میں تائید کر رہے ہیں حالانکہ یہ عبارت تو درمیان میں ہے نیز اگر محترم اثری صاحب کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ مبارکپوری صاحب ان تمام ابواب میں مذکور بحث میں علامہ شوکانیؒ کی تائید کر رہے ہیں تب بھی ہمارے موقف کی تائید اور محترم اثری کے اعتراض کا غلط ہونا واضح ہے اس لیے کہ علامہ شوکانی اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں والظاہر ان رفع القبور زیادۃ علی القدر الماذون فیہ محرم وقد صرح بذالک اصحاب احمد وجماعۃ من اصحاب الشافعی ومالک والقول بانہ غیر محظور لوقوعہ من السلف والخلف بلا نکیر کما قال الامام یحی والمھدی فی الغیث لا یصح لان غایۃ ما فیہ انھم سکتوا عن ذالک والسکوت لا یکون دلیلا" اذا کان فی الامور الظنیۃ وتحریم رفع القبور ظنی (نیل الاوطار ج ۴ ص ۹۰) اور ظاہر یہ ہے کہ جس قدر قبر کو بلند کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس سے زیادہ بلند کرنا حرام ہے اور امام احمد کے اصحاب اور امام شافعی اور امام مالک کے اصحاب کی ایک جماعت نے اسی کو صراحت سے ذکر کیا ہے اور یہ قول کرنا کہ رفع القبور ممنوع نہیں اس لیے کہ سلف اور خلف سے بلا نکیر یہ واقع ہوا ہے جیسا کہ امام یحی اور مہدی نے غیث میں کہا تو یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ اس بارہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس بارہ میں خاموشی اختیار کی ہے ۔ اور امور ظنیہ میں سکوت

جواز کی دلیل نہیں ہوتا اور رفع القبور کی تحریم ظنی ہے۔
قارئین کرام علامہ شوکانی کی اس عبارت پر غور فرمائیں کہ وہ تسلیم کر رہے ہیں کہ رفع القبور کے عمل پر خلف وسلف سے سکوت ثابت ہے اور اسی سے ملتی جلتی عبارت علامہ کوثری کی ہے وہ فرماتے ہیں مع كون التسوية غير معمول بها مدى الدهور (مقالات ص ۱۵۹) کہ عرصہ دراز سے تسوية القبور پر عمل نہیں ہے۔ دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہی ہے مگر محترم اثری صاحب نے نہ جانے کس لیے علامہ کوثری کی تردید کو اپنے لیے ضروری سمجھ لیا۔ اور پھر علامہ شوکانیؒ رفع القبور کی تحریم کو ظنی قرار دے رہے ہیں اور لازمی بات ہے کہ حرام قطعی اور حرام ظنی کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ ہمارا گمان مبارکپوری صاحب کے بارہ میں یہی ہے کہ انہوں نے اسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے الازھار کی عبارت نقل کی ہے اور بلند بنائی گئی قبور کو گرانے کے بارہ میں استحباب نقل کیا ہے۔ ہم نے تو علامہ شوکانیؒ اور مولانا مبارکپوری کی عبارات پر خوب غور کرکے ان کی عبارت نقل کی تھی مگر اثری صاحب نے اپنی خفت مٹانے کے لیے خواہ مخواہ ہم پر اعتراض کیا ہے۔ نیز فتاوی نذیریہ میں پختہ قبر بنانے کے بارہ میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے الجواب پختہ بنانا قبر کا اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست نہیں ہے اور بلند قبروں کا جو ایک بالشت سے زیادہ بلند ہوں پست کرنا درست ہے یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے بلندی باقی رہ جاوے اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان کو منہدم کرکے پتھر علیحدہ کرلینا درست ہے اور چونکہ وہ پتھر متعلق قبر سے نہیں ہے اس لیے اس کا بیچ کرنا شرعاً درست ہے (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۱۷) قارئین کرام جواب پر غور فرمائیں کہ مفتی صاحب واجب ہے نہیں کہہ رہے بلکہ درست ہے فرمارہے ہیں۔ آگے انہوں نے نہی ان یجصص والی روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قبر پختہ بنانے اور قبر پر عمارت بنانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قبر پختہ بنانا ممنوع ہے اور گرانے کا حکم یہ ہے کہ اس کا گرانا درست ہے۔ مفتی صاحب کے اس جواب کی روشنی میں بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ محترم اثری صاحب کے اپنے طبقہ کے ہاں بھی بلند قبروں کو گرانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے ورنہ مفتی صاحب فرماتے کہ ان کو منہدم کرکے پتھر علیحدہ کرلینا واجب ہے۔ محترم اثری صاحب نے اپنے علمی جائزہ میں کئی بار ذکر کیا

کہ بتلایا جائے ترک واجب کا احناف کے ہاں کیا حکم ہے ؟ ہم محترم سے گزارش کرتے ہیں کہ یہ سوال کرنے کی بجائے علامہ شوکانیؒ کی کتابوں سے ان کے نظریہ کی روشنی میں تلاش کرکے عوام الناس کو بتائیں کہ جن امور میں تحریم ظنی ہوتی ہے ان امور میں تحریم کی بجائے کراہت کا قول کرنے والے پر کیا حکم لگایا جاتا ہے ۔ کیا اس کو بدعی افکار کا حامل گردانا جاسکتا ہے ؟

اصحاب کہف اور مسجد

علامہ کوثریؒ کے مقالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بڑے مفسدہ سے بچنے کے لیے قبروں پر بنائی گئی عمارات کے بارہ میں تشدد نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ نیک لوگوں کی قبور کے پاس عبادت خانے تعمیر کرنا بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اور وہ حضرات اپنی تائید میں جو دلائل ذکر کرتے ہیں ان میں اصحاب کہف کے غار پر مسجد تعمیر کرنا بھی ہے اس پر گرفت کرتے ہوئے محترم اثری صاحب نے لکھا یعنی اس عزم کا اظہار مسلمانوں اور ان کے مسلمان بادشاہ نے کیا حالانکہ اس عزم کا اظہار کرنے والے موحد مسلمان نہیں بلکہ عیسائی تھے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے معتقد ہوکر وہاں مکان بنایا وہ نصاری تھے (الاعتصام ص ۱۹ ۔ ۹ ربیع الاول ۱۴۱۷ ھ) محترم اثری صاحب کی اس گرفت پر ہم نے عرض کیا کہ مسجد بنانے والوں کو مسلمان کہنے والے صرف علامہ کوثری نہیں بلکہ تقریباً تمام تفاسیر میں وہی کچھ لکھا ہے جو علامہ کوثری نے کہا ہے ۔ اور مولانا عثمانیؒ کی عبارت کو پیش کرنا اثری صاحب کے لیے تب فائدہ مند ہوتا جبکہ نصاری پر مسلمان کا اطلاق نہ ہو سکتا حالانکہ تمام تفاسیر میں یہ موجود ہے ہماری اس عرض کے جواب میں محترم اثری صاحب نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ نصاری پر مسلمان کا اطلاق ہو سکتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں نصاری مسلمان ہیں یا نہیں ؟ پہلے انبیاء کرام اور ان کی امتیں بھی مسلمان تھے بگاڑ تو بعد میں پیدا ہوا (الاعتصام ص ۱۵ ۔ ۳۰ جمادی الاولی ۱۴۱۸ ھ) جب محترم اثری صاحب نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ نصاری پر مسلمان کا اطلاق ہو سکتا ہے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اثری صاحب نے علامہ عثمانیؒ کی عبارت بالکل بے محل پیش کی تھی اگر محترم اثری صاحب کو غصہ ہے کہ علامہ کوثریؒ نے اصحاب کہف کے غار

کے پاس مسجد بنانے والوں کو مسلمان کہا ہے تو یہ صرف علامہ کوثری نے ہی نہیں بلکہ بہت سے حضرات نے کہا ہے بلکہ اثری صاحب کے اپنے حلقہ کے معتبر عالم دین علامہ وحید الزمان مرحوم نے تو ان کو ایمان والے کہا ہے جو کہ حدیث کی کئی کتابوں کے مترجم ہیں اور اثری صاحب کا حلقہ ان کی ان خدمات پر فخر کرتا ہے چنانچہ انہوں نے امام بیضاوی کی عبارت نقل کرکے اس کا ترجمہ کیا جس میں یہ الفاظ بھی ہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی ولی یا بزرگ کے مزار کے پاس مسجد بنائے اور اس سے مقصود برکت ہو نہ کہ نماز میں اس کی تعظیم اور نہ اس کی طرف توجہ کرے تو وہ اس (لعنت والی) وعید میں داخل نہیں ۔ امام بیضاوی کی عبارت مکمل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اور حق تعالی نے ایمان والوں سے سورۃ کہف میں نقل کیا قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا" ۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانے میں بت پرستی اور گور پرستی پھر ایسی پھیل گئی ہے کہ معاذ اللہ ہزاروں نام کے مسلمان قبروں پر جاکر ان کو سجدہ کرتے ہیں اس وقت بھی یہی حکم مناسب ہے کہ قبروں کے پاس مطلقاً" مسجد بنانے کی اجازت نہ دی جائے واللہ اعلم (تیسیر الباری ترجمہ اردو صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۸ ۔ ۲۹۹) قارئین کرام غور فرمائیں کہ علامہ وحید الزمان مرحوم نے ایک تو امام بیضاوی" کی عبارت کی تائید کی کیونکہ اس کی مخالفت اور تردید نہیں کی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ علی الاطلاق قبروں کے پاس مساجد تعمیر کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ شرکیہ افعال کا ذریعہ بننے کی وجہ سے اس سے روکا جائے گا ۔ اور یہ بھی عبارت سے واضح ہے کہ انہوں نے اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنانے والوں کو ایمان والے کہا ہے ۔ اگر علامہ کوثری " کے ان کو مسلمان کہنے پر محترم اثری صاحب کو غصہ ہے تو علامہ وحید الزمان مرحوم نے تو اس سے بھی بڑھ کر ان کو ایمان والے کہا ہے اس لیے محترم اثری صاحب کو اپنے گھر کی پہلے خبر لینی چاہئے ورنہ ان کے اعتراض کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے ؟

صحیح مسلم کی حدیث اور علامہ کوثری

محترم اثری صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ علامہ کوثری نے مسلم کی روایت کو ابوالزبیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے ۔ اور پھر اپنے اسی مضمون میں لکھا ۔ مگر اس سے قطع نظر یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ صحیحین کی تمام مسند احادیث صحیح اور انہیں

تلقی بالقبول حاصل ہے ۔ علامہ البانی نے صحیح مسلم کی بعض روایات پر نقد کیا ان میں نقد کا ایک سبب یہی ابوالزبیر کی تدلیس ہے (الاعتصام ص ۱۱ ۔ ۱۲ اگست ۱۹۹۶ ء) محترم اثری صاحب کی اس عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس روایت میں ابوالزبیر کی تدلیس موجود ہے اور اسی تدلیس کی وجہ سے علامہ البانی نے نقد کیا ہے تو اس روایت میں بھی نقد ہے ورنہ اس مقام میں اس عبارت کو ذکر کرنے کا کیا مطلب ؟ اسی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنے مضمون میں لکھ دیا کہ اگر اثری صاحب کو علامہ کوثری پر غصہ ہے تو پہلے اپنے گھر کی خبر لیتے وہاں تسلی نہ ہوتی تو دوسری طرف رخ کرتے ۔ محترم اثری صاحب اپنے علمی جائزہ میں فرمانے لگے کہ علامہ البانی نے اس حدیث میں تدلیس کا دفاع کیا ہے اور آگے لکھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر جناب قارن صاحب کو غلط فہمی ہوئی یا انہوں نے ڈبل غلط بیانی سے کام لیا ہے (الاعتصام ص ۱۷ ۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ ء) حقیقت یہی ہے کہ اثری صاحب کی عبارت سے جو مفہوم مترشح ہوتا تھا ہم نے اسی کو ملحوظ رکھا اگر ان کے بے محل عبارت ذکر کرنے سے مغالطہ لگ گیا ہے تو اس کو وہ غلط فہمی کا نام دیں یا کوئی اور ۔ مگر ہمارا اصل اشکال باقی ہے کہ اگر محترم اثری صاحب کو علامہ کوثری پر غصہ ہے کہ انہوں نے مسلم شریف کی اس روایت پر نقد کیا ہے تو اثری صاحب کو یہ بھی تو اعتراف ہے کہ علامہ البانی نے مسلم شریف کی بعض روایات پر نقد کیا ہے تو علامہ کوثری پر غصہ جھاڑنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لیتے جب وہاں سے فارغ ہو جاتے تو پھر دوسری طرف رخ کرتے ۔ کیا علامہ البانی کو معلوم نہیں کہ مسلم شریف کی مسند روایات صحیح ہیں اور انہیں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے ۔ اگر صرف یہ کہہ کر مسئلہ حل ہوجاتا ہے کہ علامہ البانی کا یہ نقد خلاف اجماع ہے تو علامہ کوثری کے لیے یہی الفاظ کیوں کفایت نہیں کرتے ؟ ان پر بدعی افکار کا لیبل لگانے کی کیا ضرورت تھی ۔؟

تسویۃ القبور کے بارہ میں

محترم اثری صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں لکھا تھا کہ علامہ کوثری تسویۃ القبور کے حکم کو مطلقاً" برابری کے معنے میں لیتے ہیں ۔ ہم نے اپنے مضمون میں اس جانب توجہ نہ دی تو اثری صاحب اپنے علمی جائزہ میں علامہ کوثری کی ایک اور غلطی کا عنوان قائم کر کے

آخر میں لکھتے ہیں کہ قارن صاحب نے یہاں بھی خاموشی اختیار کرکے گویا اعتراف کیا کہ علامہ کوثری کا معنوی اعتبار سے موقف بھی غلط ہے ۔ علامہ کوثری کی وکالت کہاں گئی (الاعتصام ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء) ہم اہل علم قارئین کرام سے عرض کرتے ہیں کہ علامہ کوثری کا اس بارہ میں مکمل مقالہ پڑھیں اس میں کہیں بھی اس کا اشارہ تک موجود نہیں کہ وہ تسویۃ القبور میں قبر کو زمین کے ساتھ برابر کردینے کا معنٰے لیتے ہیں اور نہ محترم اثری صاحب نے علامہ کوثری کی ایسی کوئی عبارت پیش کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو ۔ محترم اثری صاحب نے علامہ کوثری کی جس عبارت سے مطلب کشید کیا ہے وہ عبارت یوں ہے وحدیث ابی الهیاج فی اسناده اختلاف مع عنعنة حبیب بن ابی ثابت ومع کون التسوية غیر معمول بها مدى الدهور (مقالات ص ۱۵۹) ابوالھیاج کی سند میں اختلاف کے ساتھ ساتھ حبیب بن ثابت کا عنعنہ ہے اور عرصہ دراز سے تسویہ پر عمل بھی نہیں ہے ۔ اس عبارت میں زمین کے ساتھ برابر کرنے کا معنٰے کہاں ہے ۔ اور علماء نے تصریح کی ہے کہ تسویۃ سے مراد یہ ہے کہ قبر جتنی بلند کرنے کی اجازت ہے اس سے زائد بلند نہ کی جائے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵۴) اور علامہ کوثری کی عبارت میں صرف یہ ہے کہ عرصہ دراز سے تسویۃ پر عمل نہیں اس کا معنٰے اور مفہوم یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ عام لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جتنی مٹی قبر کھودنے کے دوران نکلتی ہے وہ ساری اوپر ڈال دی جاتی ہے اور تسویۃ کا جو مفہوم علماء نے بتلایا ہے اس پر عرصہ دراز سے عمل نہیں ہے ۔ اثری صاحب نے تسویۃ کا جو مفہوم بیان کرکے علامہ کوثری کی جانب منسوب کیا ہے آخر اس پر کوئی قرینہ یا اس مفہوم پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ تو عبارت میں ہونا چاہئے ۔ خواہ مخواہ مفہوم کشید کرکے بہتان تراشی محترم اثری صاحب کا وطیرہ ہے ۔

عذر گناہ بد تر از گناہ

اپنے پہلے مضمون میں محترم اثری صاحب نے علامہ کوثری کی ایک عبارت ما افرت الامة کا غلط ترجمہ کیا جب ہم نے اس پر گرفت کی تو اپنے علمی جائزہ میں محترم اثری صاحب نے اپنے پہلے کئے ہوئے ترجمہ کو چھوڑ کر ہمارا بتلایا ہوا ترجمہ کیا ہے جو اس پر دال ہے کہ اثری صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے مگر بمصداق ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود یوں

گویا ہوئے غور فرمائیے امت برقرار نہ رکھتی یا امت اس پر عمل نہ کرتی میں جوہری فرق کیا ہے ؟ اگر محترم اثری صاحب کو اس میں فرق نظر نہیں آتا تو ہم واضح کر دیتے ہیں کہ اثری صاحب کے کئے ہوئے غلط ترجمہ کا نتیجہ وہ ہے جو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا مگر علامہ کوثری کے نزدیک یہ دونوں احادیث ضعیف قبروں پر قبے بنانے اور ان پر کتبے لکھنا جائز بلکہ سنت متوارثہ ہے (الاعتصام ۲ اگست ۱۹۹۶ء) مااقرت الامۃ امت اس پر عمل نہ کرتی اس ترجمہ کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ فعل صرف جائز ہی نہیں بلکہ سنت متوارثہ ہے حالانکہ علامہ کوثری قطعاً" اس کے قائل نہیں ہیں اور مااقرت الامۃ امت اس کو برقرار نہ رکھتی ۔ اس ترجمہ کی روشنی میں فعل کے جائز ہونے کی بحث نہیں بلکہ جو قبروں پر قبے وغیرہ بنا دیئے گئے ہیں ان کو برداشت کرنے کی بحث ہے کہ جب امت برداشت کرتی چلی آئی ہے تو ان کا گرانا واجب نہیں ہے اور یہی علامہ کوثری کا نظریہ ہے اور اسی کو وہ بیان کر رہے ہیں ۔ اس کے باوجود اگر محترم اثری صاحب کو دونوں مفہوموں کا جوہری فرق نظر نہیں آتا تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے ۔

استعانت اور استغاثہ

محترم اثری صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں استعانت واستغاثہ کا عنوان قائم کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ علامہ کوثری اہل بدعت کی طرح غیر اللہ سے استعانت واستغاثہ کے قائل ہیں ہم نے اس پر گرفت کی اور علامہ کوثری" کی عبارات کی روشنی میں ثابت کیا کہ وہ مخلوق سے استعانت اسباب کے درجہ میں مانتے ہیں اور اہل بدعت کا نظریہ اس سے یکسر مختلف ہے اس لیے علامہ کوثری کے نظریہ کو اہل بدعت کے نظریہ کی طرح قرار دینا انتہائی غلط بیانی ہے ۔ ہماری اس وضاحت کے بعد محترم اثری صاحب اپنے علمی جائزہ میں یوں گویا ہوئے قارن صاحب نے حسب معمول یہاں بھی بڑی ہوشیاری کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ کوثری مرحوم کی یہ اختراع ہی نہ سمجھ سکے کہ توسل ' استغاثہ اور استعانت میں کوئی فرق نہیں (الاعتصام ص ۱۸ ۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء) محترم اثری صاحب سے گزارش ہے کہ بفضلہ تعالیٰ قارن علامہ کوثری کی عبارات کو بھی خوب سمجھا ہے اور جہاں آپ نے اپنا کرتب دکھاتے ہوئے چکر دینے کی کوشش کی ہے اس کو بھی خوب سمجھا ہے ۔ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں علامہ کوثری کی عبارات کی روشنی میں ذرا تفصیل سے ذکر کر دیا جائے تا کہ محترم اثری صاحب کے الزام کی حقیقت بھی واضح ہو جائے اور علامہ کوثری کا نظریہ بھی قارئین کرام کے سامنے واضح ہو جائے ۔ علامہ کوثری نے توسل کے بارہ میں لکھے گئے مقالہ میں تین باتیں نمایاں طور پر ذکر کی ہیں پہلی بات یہ کہ انبیاء وصالحین کا توسل ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی جائز ہے اور اس پر انہوں نے دلائل ذکر کئے ہیں ۔ اور یہ صرف علامہ کوثری" کا نظریہ نہیں بلکہ پہلے علماء کرام بھی اس کے قائل رہے ہیں جیسا کہ مبارکپوری" صاحب نے اس بارہ میں کئی اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی توسل جائز ہے اگرچہ مبارکپوری صاحب نے اپنا نظریہ اس کے خلاف لکھا ہے مگر علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ضرور نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو تحفة الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۲ ۔ ۲۸۳) اور توسل بالاموات کے مسئلہ کو علامہ وحید الزمان مرحوم نے علماء کے درمیان مختلف فیہ قرار دیا ہے اور اس میں تشدد کو درست قرار نہیں دیا (ملاحظہ ہو هدية المهدی ص ۱۱۸) دوسری بات علامہ کوثری نے یہ واضح کی کہ جس ذات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے کیا اس سے دعا کروانا مقصود ہوتا ہے اور توسل دعا کروانے ہی کو کہتے ہیں تو علامہ کوثری نے فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے اور اس پر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا وكلام الحافظين يقضى على وهم من يهم قائلا" ان التوسل به صلى الله عليه وسلم هو طلب الدعاء منه واين التوسل من الدعاء؟ نعم قد يدعو المتوسل به للمتوسل لكن ليس مدلولا" لغويا" ولا شرعيا" للتوسل (مقالات ص ۳۸۷) اور دینی محافظوں کی عبارات ان لوگوں کے وہم کے خلاف فیصلہ کرتی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے کا مطلب ان سے دعا کروانا ہے ۔ اور توسل میں دعاء کروانا کہاں ضروری ہے ؟ ہاں کبھی وہ ذات جس کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ وسیلہ بنانے والے کے حق میں دعا کرتی ہے لیکن توسل کے لیے یہ مدلول نہ لغوی ہے اور نہ شرعی ۔ یعنی متوسل بہ سے دعاء کروانا توسل کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اس کی ذات کے ذریعہ سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد علامہ کوثری نے حضرت عثمان بن حنیف" کی حدیث نقل کی جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو دعاء سکھائی اور اس میں یہ الفاظ ہیں اللهم انى اسألک واتوجه اليک بنبيک محمد نبى الرحمة يا محمد

انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی کو متوجہ کرتا ہوں (سفارشی بناتا ہوں) جو نبی رحمت ہیں اے محمد میں آپ کو اپنی حاجت پورا کرنے میں اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں (سفارشی بناتا ہوں) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد علامہ کوثری نے فرمایا وفیہ التوسل بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبجاھہ ونداء لہ فی غیبتہ (مقالات ص ۳۸۹) اور اس میں نبی کریم ﷺ کی ذات کو اور ان کے مرتبہ کو وسیلہ بناتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدم موجودگی میں پکارنا ہے محترم اثری صاحب نے مقالات کی اسی عبارت کو اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ علامہ کوثری اہل بدعت کی طرح حضور علیہ السلام کو غائبانہ طور پر پکارنے کے قائل ہیں حالانکہ علامہ کوثری تو توسل میں متوسل بہ سے دعاء کروانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتے چہ جائیکہ وہ اہل بدعت کی طرح پکارنے کو جائز سمجھتے ہوں ۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ حدیث کے الفاظ میں یا محمد انی توجھت بک الی ربی کے الفاظ ہیں اور ان الفاظ کو حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی ذکر کرنا علامہ کوثری نے جائز کہا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی اس کو پڑھتے اور اس کی تعلیم دیتے رہے اور اسی پر علامہ کوثری نے لکھا کہ وھذا توسل بہ ونداء بعد وفاتہ صلوات اللہ علیہ وعمل متوارث بین الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین (مقالات ص ۳۹۱) اور یہی آپ ؑ کی ذات کے ساتھ توسل اور آپ ؑ کی وفات کے بعد پکارنا ہے اور یہ عمل حضرات صحابہ کرام کے درمیان پایا جاتا ہے ۔ اب اس میں نہ تو غلط قسم کی نداء کا تصور کسی صحابی سے کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی علامہ کوثری اس کو ثابت کر رہے ہیں بلکہ یہی واضح کر رہے ہیں کہ آپ ؑ کی وفات کے بعد ندائیہ کلمات میں نداء کا مفہوم یہی ہے جو صحابی کے عمل سے ثابت ہے اور وہ صرف تبرک کے لیے ان کلمات کو ادا کرنا ہے اور ان کلمات کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد ادا کرنا کسی نے بھی ناجائز نہیں کہا خود غیر مقلدین حضرات کے مفتی صاحب نے اس بارہ میں ایک سوال کے جواب میں کہا ۔ اور اب ان الفاظ کو حکایت حال ماضی کے طور پر پڑھ دیتے ہیں جیسے نماز کے التحیات میں پڑھتے ہیں (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۶۰) یعنی جس طرح التحیات میں السلام علیک ایھا النبی خطاب کے صیغہ کے ساتھ

پڑھتے ہیں اسی طرح اس دعا میں یا محمد انی توجهت الی ربی پڑھتے ہیں۔

علامہ کوثری کے الفاظ سے بھی صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپؐ کی عدم موجودگی میں نداء ہے۔ یہ نداء کس نوعیت کی ہے حکایت حال ماضی کے طور پر ہے یا آپؐ کو اہل بدعت کی طرح پکارنا ہے تو علامہ کوثری کے مقالہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بھی محض برکت کے طور پر ہیں اور ان کا مفہوم وہی ہے جو صحابی نے سمجھا مگر محترم اثری صاحب نے خواہ مخواہ اس کو غلط رنگ دے دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ بھلا جو آدمی توسل میں متوسل بہ سے طلب دعاء کو نہ مدلول لغوی سمجھتا ہے اور نہ ہی مدلول شرعی تو وہ مافوق الاسباب استعانت کا قائل کیسے ہو سکتا ہے؟

اور علامہ کوثری نے اپنے اس مقالہ میں تیسری بات یہ واضح فرمائی کہ توسل کے لیے استغاثہ اور استعانت کے الفاظ بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں جب کہ ان سے توسل کا ارادہ ہو۔ اس لیے کہ بخاری شریف میں الفاظ ہیں استغاثوا بادم ثم بموسی ثم بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت چاہیں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

جب شفاعت کے باب میں استغاثہ کا لفظ ہے تو توسل اور شفاعت کے لیے استغاثہ کا لفظ استعمال کرنا درست ہے علامہ کوثری فرماتے ہیں وھذا یدل علی جواز استعمال لفظ الاستغاثة فی صدد التوسل اور یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ توسل کے ارادہ کی صورت میں استغاثہ کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔

اس پر اشکال ہو سکتا تھا کہ جو شخص استعانت کا لفظ توسل کے لیے استعمال کرے گا تو اس کی عبارت اس طرح ہو جائیگی استعین بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں محمد ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں حالانکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد یہ ہے اذا استعنت فاستعن باللہ جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر۔ اس اشکال کا جواب علامہ کوثری نے دیا حملا" علی الحقیقة کہ حدیث اذا استعنت میں استعانت سے مراد اس کا حقیقی معنے ہے نہ کہ توسل کا معنے۔ اور آگے لکھتے ہیں فالمسلم لا ینسی سبب الاسباب عند ما یستعین بسبب من الاسباب کیونکہ مسلمان جب کسی بھی سبب سے مدد مانگتا ہے تو وہ مسبب الاسباب کو نہیں بھولتا۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے

حضرت عباسؓ کو استسقاء کے لیے وسیلہ بنایا اور اس وقت یہ الفاظ فرمائے اللھم فاسقنا اے اللہ تو ہمیں بارش سے سیراب کر وھذا ھو الادب الاسلامی (مقالات ص ۳۹۵۔ ۳۹۶) اور یہی اسلامی طریقہ ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ اگر علامہ کوثری کے نزدیک غیراللہ سے استعانت کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو وہ اس قدر تفصیل سے ذکر نہ کرتے اور پیدا ہونے والے اشکال کا رد نہ کرتے اتنے واضح اور واشگاف الفاظ اور صراحت کے بعد بھی اگر محترم اثری صاحب علامہ کوثری کے نظریہ کو اہل بدعت کی طرح قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں تو اسکا کوئی علاج نہیں ہے۔

علامہ کوثری نے تو فرمایا کہ اگر توسل کا ارادہ ہو تو استغاثہ اور استعانت کا لفظ استعمال کرنا درست ہے اور توسل کا مفہوم وہ پہلے بیان کر چکے کہ صرف متوسل بہ کی ذات اور اس کے مرتبہ سے برکت حاصل کرنا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ توسل اور استعانت اور استغاثہ میں غیراللہ کو مافوق الاسباب میں پکارنا درست ہے مگر محترم اثری صاحب استعانت اور استغاثہ کا حقیقی مفہوم لے کر علامہ کوثری کی جانب غیراللہ سے استعانت کا نظریہ منسوب کر رہے ہیں اور ان کا نظریہ اہل بدعت کے نظریہ کی طرح ثابت کرنا چاہتے ہیں اس سے بڑھ کر اور دھاندلی کیا ہو سکتی ہے؟

محترم اثری صاحب نے اس سلسلہ میں ذکر کی گئی روایات پر نقد و جرح کی بحث صرف مضمون کو طول دینے اور اپنی خفت مٹانے کے لیے کی ہے ورنہ جب اصل اور بنیاد ہی غلط ہو تو اس پر تعمیر کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ

محترم اثری صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں یہ بھی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علامہ کوثری محفل میلاد کے انعقاد کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات بھی پہلی باتوں کی طرح بالکل من گھڑت اور صرف اثری صاحب کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔

علامہ کوثری نے اپنے مقالہ میں حضور علیہ السلام کی ولادت کے دن کے بارہ میں بحث کی ہے کہ وہ کونسا دن ہے اس بارہ میں مختلف اقوال نقل کیے اور اپنا رجحان ۹ ربیع الاول کی طرف بتایا اور اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا وقال عنه الحافظ عمر بن دحية في

کتابه التنویر فی مولد سراج المنیر الذی اجازه علیه مظفر الدین صاحب اربل بالف دینار (مقالات ص ۴۰۶) اور ۹ ربیع الاول کے دن ولادت کا قول ابوبکر محمد بن موسیٰ سے حافظ عمر بن دحیہ نے اپنی کتاب التنویر میں کیا جس کتاب پر صاحب اربل مظفر الدین نے اس کو ہزار دینار انعام دیا تھا اور آگے چل کر لکھتے ہیں والملک المعظم مظفر الدین کوکبوری الذئب الازرق الترکمانی صاحب اربل مبتکر ذالک الاحتفال البالغ بمولد حضرت المصطفی صلوات اللہ وسلامه الخ (مقالات ص ۴۰۸) اور بڑا بادشاہ مظفر الدین کوکبوری نیلی آنکھوں والا بھیڑیا ترکمانی صاحب اربل جو ان محافل کا موجد اور حضور علیہ السلام کا میلاد منانے میں مبالغہ کرنے والا تھا وہ بھی کبھی ۹ ربیع الاول کو اور کبھی ۱۲ ربیع الاول کو محفل منعقد کرواتا۔ اور پھر آگے لکھتے ہیں والعادة المتبعة فی البلاد الاسلامیة الاحتفاء بالمولد الشریف فی الیلة الثانیة عشرة من شهر ربیع الاول (مقالات ص ۴۱۳) اور بلاد اسلامیہ میں یہ عادت لگاتار چلی آرہی ہے کہ وہ بارہ ربیع الاول کو میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔

ان عبارات میں کہیں بھی بلکہ پورے مقالات میں کہیں بھی اشارہ تک نہیں کہ محفل میلاد جائز ہے مگر محترم اثری صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ کوثری محفل میلاد کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے کہا کہ عمر بن دحیہ کو مظفر الدین نے ہزار دینار انعام دیا۔ اور مظفر الدین کو الملک المعظم کہہ کہ اس کی تعریف کی اور اس کو صرف المبتکر البالغ کہا جس سے ثابت ہوا کہ علامہ کوثری محفل میلاد کو جائز سمجھتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ علامہ کوثری کے اس مقالہ کا مطالعہ کرنے والا ہر آدمی جان سکتا ہے کہ عمر بن دحیہ کو انعام کا تذکرہ محض ضمناً" کیا گیا ہے اور مظفر الدین کو علامہ کوثری نے صرف الملک المعظم ہی نہیں کہا بلکہ الذئب الازرق نیلی آنکھوں والا بھیڑیا بھی کہا ہے۔ نیز علامہ کوثری نے اس کو المبتکر کہا ہے اور ہم نے مقالات ص ۱۱۱ کے حوالہ سے اپنے پہلے مضمون میں واضح کردیا تھا کہ علامہ کوثری ابتکار کا معنی بدعت کرتے ہیں۔ اس لیے المبتکر کا معنی المبتدع ہے کہ وہ اس بدعت کا ایجاد کرنے والا ہے۔ ان عبارات میں کسی صاحب بصیرت کو تو مظفر الدین کی نہ تعریف نظر آتی ہے اور نہ محفل میلاد کے انعقاد کا جواز ملتا ہے مگر اثری صاحب کی ضد اور بے جا اصرار کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ نیز محترم اثری صاحب کو یہ غصہ بھی ہے کہ علامہ

کوثری نے محافل میلاد کو بلاد اسلامیہ کی عادت متبعہ کہا ہے حالانکہ یہ تو عام سی عبارت ہے اس بارہ میں مضامین لکھنے والے اور بحث کرنے والے عموماً" لکھ دیتے ہیں کہ یہ اسلامی ممالک میں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ محافل ہندو سکھ یا دہریئے تو نہیں مناتے بلکہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے مناتے ہیں اور یہ محافل ان ہی ممالک میں ہوتی ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں اس لیے بلاد اسلامیہ کی عادت متبعہ کہنے پر کسی صاحب عقل کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔

الاعتصام کے جس رسالہ میں محترم اثری صاحب کے مضمون علامہ الکوثری کے بدعی افکار کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی اسی مضمون سے پہلے ایک مضمون یوم میلاد کی محفلیں اور رسومات قرآن وسنت اور تعامل امت کی روشنی میں شائع ہوا جس کے بارہ میں لکھا تھا کہ یہ سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز کی تالیف ہے اور اس کا ترجمہ مولانا سیف الرحمان صاحب ایم اے علوم اسلامیہ نے کیا۔ اس مضمون میں محافل میلاد کے بارہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ایک صاحب خرد اور دانشمند کو یہ لائق نہیں کہ وہ اس بات سے دھوکا میں آجائے کہ اسلامی ممالک میں لوگ اسے کثرت سے کرتے ہیں کیونکہ حق وباطل کی تمیز کا معیار کسی شیئ کی کثرت سے نہیں الخ (ہفت روزہ الاعتصام ۲۶ جولائی ۱۹۹۶ء)

اگر اثری صاحب کو غصہ ہے کہ علامہ کوثری نے محافل میلاد کے انعقاد کو بلاد اسلامیہ کی عادت متبعہ کہا ہے اور پھر یوں فرماتے ہیں اور کیا علماء دیوبند اسے عالم اسلام کی عادت تسلیم کرتے ہیں ؟ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ اثری صاحب کے سماحۃ الشیخ بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ اسلامی ممالک میں لوگ اسے کثرت سے کرتے ہیں۔ کیا آپ لوگ اس کو عالم اسلام کی کثرت کا عمل تسلیم کرتے ہیں ؟ ماھو جوابکم فھو جوابنا ۔ علامہ کوثری نے تو محافل میلاد کی ذرا بھی حوصلہ افزائی نہیں کی البتہ محترم اثری صاحب کے اپنے حلقہ کے جید عالم دین علامہ وحید الزمان مرحوم نے ان محافل کی خوب حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور علامہ وحید الزمان کوئی معمولی شخصیت نہیں بلکہ حدیث کی کئی کتابوں کے مترجم اور غیر مقلدین کے قابل فخر عالم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ولا یجوز الانکار علی امور مختلفة فیھا بین العلماء کغسل الرجل ومسحه فی الوضوء والتوسل بالاموات فی الدعاء والدعاء من اللہ عند قبور الاولیاء والانبیاء وارسال الیدین فی الصلوٰۃ ووطی الازواج

والاماء فی الدبر والمتعة والجمع بین الصلوتین واللعب بالشطرنج والغناء والمزامیر والفاتحة المرسومة او مجلس المیلاد وھو المنقول عن امامنا احمد بن حنبل اور جن امور میں علماء کا اختلاف ہے ان میں سختی سے تردید کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ وضوء میں پاؤں دھونا یا ان کا مسح کرنا اور دعاء میں مردوں کو وسیلہ بنانا اور انبیاء اور اولیاء کی قبور کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔ نماز میں ہاتھ کھلے چھوڑ دینا اور اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے وطی فی الدبر کرنا (نعوذ باللہ من ذالک) اور متعہ کرنا اور دو نمازوں کو جمع کرنا اور شطرنج کھیلنا اور گانا باجا سننا اور مروجہ فاتحہ یا مجلس میلاد اور یہی ہمارے امام احمد بن حنبل" سے منقول ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں وقیل یجوز الانکار بالیسر والسھولة بان یقراء الحدیث علی فاعلھا ولا یعنف ولا یزجر ولا یشدد ولا ینھر (کتاب ھدیتہ المھدی ص ۱۱۸) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آرام اور نرمی سے ان امور کی تردید کرنا جائز ہے اس طرح کہ ان افعال میں سے کسی فعل کے کرنے والے کے سامنے حدیث پڑھ دی جائے (جس میں اس کی تردید ہو) اور چہرہ پر غصہ نہ لایا جائے اور اس فعل کے کرنے والے کو نہ ڈانٹا جائے اور نہ تشدد کیا جائے اور نہ ہی جھڑکا جائے۔

محترم اثری صاحب کو علامہ کوثری کی نہیں بلکہ علامہ وحید الزمان مرحوم کی فکر کرنی چاہئے جو یہ کہتے ہیں کہ مروجہ فاتحہ اور مجلس میلاد ہی نہیں بلکہ گانے سننے اور شطرنج کھیلنے اور بیویوں سے وطی فی الدبر جیسے واہیات کاموں کو دیکھ کر چہرہ پر ناراضگی کے اثرات بھی نہ لانے چاہییں لا حول ولا قوۃ الا باللہ اب اس کا فیصلہ خود قارئین کرام فرمائیں کہ محافل میلاد کی حوصلہ افزائی کرنے والے علامہ کوثری ہیں یا کہ محترم اثری صاحب کے اپنے حلقہ کے پیشوا علامہ وحید الزمان مرحوم ہیں۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

Scanned by CamScanner
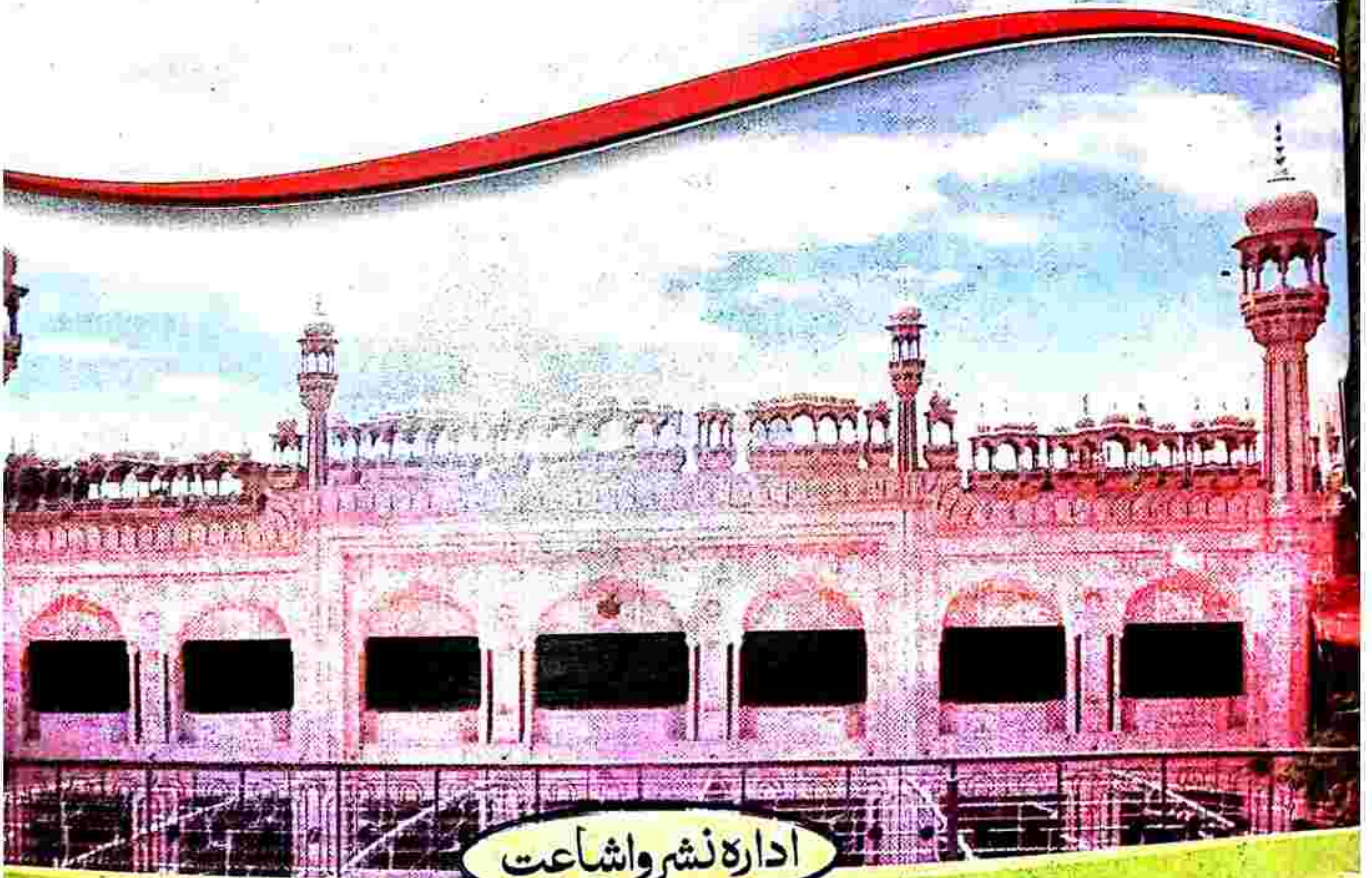
مولانا حافظ عبد القدوس قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

آفتاب تحقیق کی تحقیقی کرنوں کا انکار

(ایک غیر مقلدانہ جسارت)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمد صاحب ؒ کے جنازہ سے فارغ ہو کر خانقاہ سراجیہ کندیاں سے واپس آرہے تھے کہ دوران سفر ہی کسی صاحب نے فون پر میرے ہم سفر حاجی محمد فیاض صاحب مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کو ایک رسالہ میں شائع ہونے والے مضمون کی جانب توجہ دلائی تو حاجی صاحب نے اس سے کہا کہ وہ رسالہ ہمارے ہاں نہیں آتا اس لئے ہم اس مضمون کو نہیں پڑھ سکے، آپ اس مضمون کی فوٹوسٹیٹ کروا کر ہمیں بھیج دیں تاکہ ہم اس کو پڑھ کر اس پر کوئی تبصرہ کر سکیں، چند دن بعد اس صاحب نے مضمون کی فوٹوسٹیٹ بھیجنے کی بجائے اصل رسالہ ہی حاجی صاحب کو بھیج دیا، انہوں نے مضمون پڑھا وہ اس پر خود بھی احسن انداز میں تبصرہ کر سکتے تھے مگر انہوں نے کسی مصلحت کے تحت رسالہ مجھے بھیج دیا تاکہ میں اس مضمون نگار کا تعاقب کروں، گوناگوں مصروفیات اور بیماریوں کے باعث فی الفور توجہ نہ دی جا سکی اور نہ ہی تبصرہ کی غرض سے اس مضمون کا مطالعہ کیا جا سکا، وہ رسالہ فائل میں پڑا رہا اور بندہ فرصت کے لمحات کا انتظار کرتا رہا، اس دوران کئی حضرات بار بار توجہ دلاتے رہے مگر ہر کام کا وقت مقرر ہے جب اس کام کی تکمیل کا وقت آتا ہے تو اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔

حال ہی میں کچھ فرصت نکال کر رسالہ دیکھا تو وہ احناف دشمنی کی بھٹی میں آگ بگولا غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی صاحب کے ماہواری الحدیث کا مئی ۲۰۱۰ء کا شمارہ تھا اور مضمون بھی ان کا اپنا ہی تھا جو انہوں نے ایک بے نام و نشان سائل کے جواب میں لکھا تھا، مضمون پڑھ کر ہمیں اسی طرح تعجب ہوا جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک سائل کے سوال پر ہوا تھا جب اس نے مچھر مارنے پر اس کے کفارہ کے بارہ میں
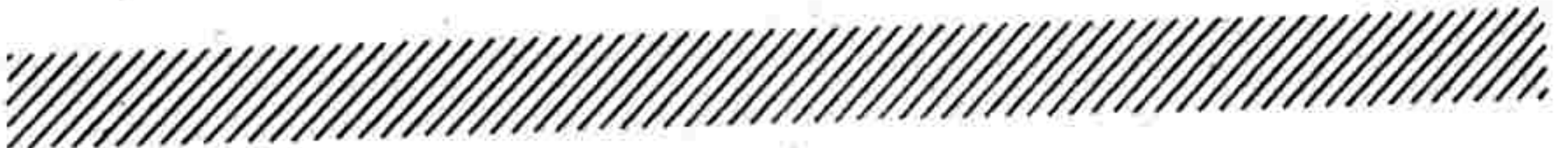
پوچھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کے نواسے کو شہید کر دیا تو پرواہ نہ کی مگر مچھر مارنے پر کفارہ کا پوچھ رہا ہے۔ (بخاری ص ۸۸۶ ج ۲) ہمیں تعجب ہوا کہ زبیر علی زئی صاحب جس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ طبقہ تو قراۃ خلف الامام کے مسئلہ میں نماز جیسے اہم معاملہ میں حضور علیہ السلام کی جانب منسوب حدیث میں اپنے نظریہ کا مدار محمد بن اسحاق کی روایت پر رکھے ہوئے ہیں جس کو کذاب اور دجال تک کہا گیا ہے، وہاں ان کو کوئی خیال نہیں آتا مگر ایک مسلمہ علمی شخصیت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت پر مشتمل روایات میں وہ ضعیف اور کمزور راویوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ نہ تو وہ احادیث ہیں اور نہ ہی ان میں حلال وحرام کا مسئلہ ہے کہ شدت سے کام لیا جائے اور نہ ہی ان پر نظریہ کا مدار ہے، اگر وہ روایات نہ بھی ہوں تب بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی فضیلت مسلم ہے۔

قارئین کرام! علی زئی صاحب سے اس بے نام ونشان سائل نے پوچھا کہ دیوبندی رسالے الشریعہ کا سرفراز خان صفدر نمبر میں ڈاکٹر انوار احمد اعجاز نے سرفراز خان کے بارے میں لکھا ہے امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر کا نام نامی ملت اسلامیہ میں اپنے تحقیقی وعلمی کام کی بدولت ہمیشہ زندہ رہے گا، آپ نے ۵۰ کے قریب کتب یادگار چھوڑی ہیں جن کا علمی وتحقیقی معیار نہایت بلند ہے لیکن احسن الکلام، تسکین الصدور، اظہار العیب، الکلام المفید، راہ سنت، شوق حدیث، طائفہ منصورہ اور مقام ابی حنیفہ میں جس انداز سے علمی وتحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس کی بدولت ان تصنیفات نے برصغیر کے بھی دینی مفکرین سے بے پناہ داد پائی، خاص طور پر مقام ابی حنیفہ تو ایک شاہکار ہے کہ اس کی نظیر شاید ہی پیش کی جا سکے، پھر سائل نے دریافت کیا کہ کیا درج بالا باتیں صحیح ہیں اور کیا واقعی مقام ابی حنیفہ نامی کتاب میں علمی وتحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے؟ غیر جانبدارانہ تحقیق اور انصاف سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیرا (ایک سائل)

اس کے جواب میں علی زئی صاحب نے انتہائی متعصبانہ اور متشددانہ انداز اختیار کرتے ہوئے حضرت امام اہل سنت کی علمی وتحقیقی حیثیت سے سراسر انکار کر دیا پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لکھا کہ اسی ایک حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ آل دیوبند کا اوڑھنا بچھونا کذب وافتراء اور تہمت برابر یاء ہے، علی زئی صاحب جیسے حضرات کے بارہ میں عموماً علماء کرام فرمایا کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ واذا خاطبھم الجاھلون

قالوا سلاماً والا معاملہ ہی کرنا چاہیے مگر قرآن کریم میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا گیا ہے والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۳۸) جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم نے بدلہ میں علی زئی صاحب جیسا انداز اختیار نہیں کیا بلکہ صرف قارئین کرام کو ان کا اصلی چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے، جن حضرات نے ان کی کتابوں اور ان کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان کا دیگر احناف کے بارہ میں عموماً اور حضرت امام اہل سنت کے بارہ میں خصوصاً یہی متشددانہ، متعصبانہ اور گستاخانہ انداز ان کی تمام تحریرات میں پایا جاتا ہے بلکہ وہ اپنے بے لگام قلم کو ہاتھ میں لے کر عالم مستی میں فی کل واد یھیمون کی منازل طے کرتے ہوئے وہ کچھ لکھ دیتے ہیں کہ بسا اوقات خود ان کے ہم مسلک حضرات کو بھی ان کا تعاقب کرنا پڑتا ہے اور احناف میں مولانا عبدالغفار صاحب ذہبی، مولانا رب نواز صاحب سلفی، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا حماد صاحب لاہور اور مناظر اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب وغیرہم جیسے حضرات نے علی زئی صاحب کا احسن انداز سے تعاقب کر رکھا ہے ان حضرات کی تحریرات کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، علی زئی صاحب نے اگر امام اہل سنت کی علمی و تحقیقی حیثیت کا انکار کیا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ اس دنیا میں نصف النہار میں چمکتے سورج کا انکار کرنے والی مخلوق بھی موجود ہے، حیرانگی کی بات یہ ہے کہ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ جیسی مسلمہ علمی شخصیت پر ناقدانہ قلم وہ شخص اٹھا رہا ہے جس کو اپنے استاد کے بیان کردہ قاعدہ کی صحیح تعبیر کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔

علی زئی صاحب نے لکھا کہ ہمارے استاد حافظ عبدالمنان نور پوری فرماتے ہیں کسی شیٔ کا مذکور و منقول نہ ہونا اس شیٔ کے نہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ (نور العینین ص ۵۷ طبع دوم) اس کا مطلب یہ ہے کہ عدم ذکر نفی شیٔ کو مستلزم نہیں، اگرچہ یہ قاعدہ امام بخاریؒ اور علامہ ابن حجرؒ کے طریق استدلال کے خلاف ہے مگر یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ استاد صاحب نے کیا کہا اور علی زئی صاحب اس کی تعبیر کیسے کر رہے ہیں، جب علی زئی صاحب خود اس قاعدہ کی تعبیر کرتے ہیں تو یوں کرتے ہیں، عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کو انہوں نے ص ۵۷، ۴۷، ۱۰۸، ۱۴۸ میں اسی طرح ذکر کیا ہے، استاد صاحب نے بتایا ہے کہ عدم ذکر نفی شیٔ کو مستلزم نہیں مگر علی زئی صاحب اس کی تعبیر کرتے ہیں عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے، یہ الگ بحث ہے کہ عدم
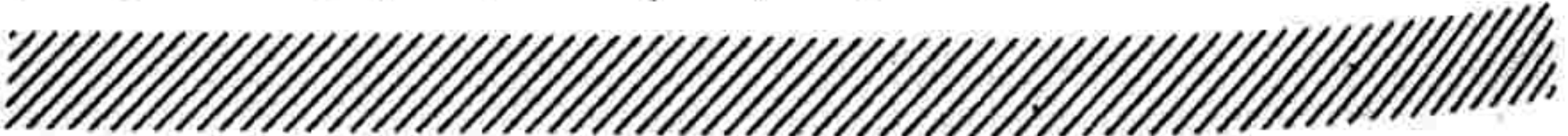
اور نفی میں کوئی فرق ہے یا نہیں اس کا علی زئی صاحب کے استاد صاحب کے بتائے ہوئے اصول سے کوئی تعلق نہیں ،علی زئی صاحب کی تعبیر اور ان کے استاد صاحب کے بتائے ہوئے اصول کے مفہوم میں بعد المشرقین ہے،ان کے استاد زندہ ہیں غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اصول کی درست تعبیر معلوم کریں۔

پھر علی زئی صاحب کی حالت اس اندھے حافظ جیسی ہے جس کی لونڈی گم ہوگئی تو اس نے راہ چلتی ایک عورت کو پکڑ کر بازوؤں میں دبوچ لیا کہ یہ میری لونڈی ہے، وہ بے چاری چیختی رہی اور آس پاس کے لوگ کہتے رہے کہ حافظ یہ تیری لونڈی نہیں ہے مگر حافظ بازوؤں کا گھیراڈھیلا کرنے کی بجائے مزید سخت کرتا جاتا، علی زئی صاحب بھی خوامخواہ کسی حدیث کو اپنی دلیل بنانے پر مُصر ہو جاتے ہیں،مثلاً رفع یدین کے باب میں فقہاء کرام کا ایک طبقہ اس کا قائل ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد نہیں بلکہ سجدہ میں جاتے وقت سجدہ کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین ہے اور وہ دلیل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو معجم طبرانی وغیرہ میں ان الفاظ کے ساتھ آتی ہے، **کان یرفع یدیہ عند التکبیر للرکوع وعند التکبیر حین یھوی ساجدا** کہ حضرت ابن عمر رکوع کی تکبیر کے وقت اور سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے،حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اوجز المسالک میں اور مولانا محمد یوسفؒ نے امانی الاحبار میں اور دیگر حضرات نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ ان حضرات کی دلیل ہے جو سجدہ کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے قائل ہیں مگر علی زئی صاحب نے اندھے حافظ کی طرح دبوچ لیا کہ یہ میری دلیل ہے اور اس کو اپنے نظریہ پر دلیل کے طور پر پیش کیا، حالانکہ خود روایت کے الفاظ پیش کئے **وعند التکبیر حین یھوی ساجدا**. (نور العینین ص ۷۵)

یہ الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حافظ صاحب ہم تمہاری دلیل نہیں اور شراح حدیث بھی فرما رہے ہیں کہ یہ ان کی دلیل نہیں مگر مجال ہے کہ اندھے حافظ کی طرح حافظ علی زئی صاحب اپنی گرفت ڈھیلی کریں، اس روایت کو اپنی دلیل بنانے میں علی زئی صاحب کو اپنے مسلک کا بھی لحاظ نہیں رہا اس لئے کہ ان کے ہاں رکوع سے اٹھنے اور سجدہ کو جانے کے درمیان قومہ فرض ہے۔(ملاحظہ ہو صلوۃ الرسول ص ۲۲۷)

جب علی زئی صاحب کے نظریہ اور حدیث کے الفاظ پر عمل کے درمیان ایک فرض حائل ہے تو اس کے

باوجود اس روایت کو اپنی دلیل بنانے پر اصرار کو اندھے حافظ کے دبوچنے کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟
قارئین کرام! جہاں تک حضرت امام اہل سنتؒ کی علمی وتحقیقی خدمات کا تعلق ہے تو اس کو صرف اکابر علماء دیوبند نے ہی نہیں سراہا بلکہ حضرت امام اہلسنت سے اختلاف رکھنے والوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے، علی زئی صاحب کے ہم مسلک اور ان کے ممدوح علماء میں شمار مولانا ارشاد الحق صاحب اثری جنہوں نے جارحانہ انداز میں ہی نہیں بلکہ ظالمانہ انداز میں حضرت امام اہل سنت کی کتابوں پر تنقید کی ہے (جس کا بفضلہ تعالیٰ بروقت احسن انداز میں تعاقب کیا گیا) وہ اثری صاحب بھی حضرت امام اہل سنت کی علمی و دینی خدمات کا برملا اعتراف کرتے ہیں، ایک مقام میں لکھتے ہیں عصر حاضر میں جو حضرات تحریراً خدمت دین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں ان میں ایک دیوبندی مکتب فکر کے نامور عالم دین حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر (شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) ہیں جو ماشاء اللہ دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، پھر آگے دوسرے مقام میں لکھتے ہیں ہم بھی ان کے علم وفضل کے معترف ہیں (مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں ص ۱۴ اور ص ۱۸) اثری صاحب نے ایک کتاب توضیح الکلام لکھی جس میں انہوں نے حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا ہی رد لکھا ہے، جب اپنی کتاب حضرت امام اہل سنت کی جانب بھیجی تو کتاب کے اول صفحہ پر یہ الفاظ لکھے اقدم الی العالم الجلیل فضیلۃ الشیخ مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر، ارشاد الحق اثری۔ یعنی میں یہ کتاب بہت بڑے عالم بہت بڑے شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، پھر اثری صاحب نے حضرت امام اہل سنت کی وفات پر حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب دام مجدہم کے نام جو تعزیتی تحریر بھیجی اور الشریعۃ کی خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت میں شائع ہوئی اس میں لکھا، حضرت کے انتقال کا صدمہ آپ کے اہل خانہ کا اور احباب ومتوسلین نصرۃ العلوم کا ہی نہیں بلکہ تمام اہل توحید کا صدمہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت مرحوم کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور بشری کمزوریوں کو اپنے عفو وکرم کی بنا پر معاف فرمائے ...پ اور آپ کے علاوہ ہزاروں ان کے تلامذہ یقیناً ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں اور اجر وثواب میں رفع درجات میں اضافے کا باعث ہیں۔ (الشریعۃ امام اہل سنت نمبر ص ۸۰۳)

علی زئی صاحب ہی کے ہم مسلک ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب نے ان الفاظ سے تعزیتی تحریر بھیجی، عظیم

الشان علمی شخصیت کا اس دنیا سے اٹھ جانا یقیناً مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کے مصداق سبھی حلقوں اور طبقات کے لئے بڑے المیہ سے کم نہیں، انہوں نے اپنی پوری زندگی تدریس و تعلیم اور نشر و فروغ اسلام میں کھپا دی، انہوں نے نورانی کرنوں کو ہر سو بکھیر اور بہت سے چراغ روشن کئے، اللہ تعالیٰ ان کی عظیم خدمات کو شرف قبولیت سے نوازیں، ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔ (الشریعہ ص ۸۰۸)

علی زئی صاحب ہی کے ایک اور ہم مسلک مولانا محمد یاسین ظفر صاحب پرنسپل جامعہ سلفیہ فیصل آباد ان الفاظ سے تعزیت کرتے ہیں، نہایت حزن و ملال کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ آپ کے والد گرامی ممتاز عالم دین مولانا سرفراز خان صفدر رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی دینی، دعوتی، تعلیمی، تدریسی اور علمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ (الشریعہ ص ۸۱۰)

ان حضرات کے علاوہ بھی حضرت امام اہل سنت کی وفات پر تعزیت کرنے والے علی زئی صاحب کے بے شمار ہم مسلک علماء میں ان کے استاد محترم مولانا عبد الحمید صاحب ہزاروی مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ بھی ہیں، بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے اور جمعیت اشاعۃ التوحید سے تعلق رکھنے والے کئی سرکردہ حضرات نے بھی حضرت امام اہل سنت کی دینی خدمات کو سراہا اس لئے عقل و ہوش کی دنیا میں علی زئی صاحب کی اس تحریر کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی، حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی جرح و تعدیل کا امام ہو مگر وہ کسی شخص یا مسلک کے بارہ میں متعصب اور متشدد ہو تو جس کے بارہ میں وہ متعصب و متشدد ہو اس کے بارہ میں اس کی جرح و تنقید کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۱۰) جب متشدد اور متعصب امام کی جرح و تنقید کا اعتبار نہیں ہوتا تو علی زئی صاحب جن کی حیثیت صرف تعصب اور حسد بھرے غبارے کی سی ہے ان کی جرح و تنقید کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر یہ بھی حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ اگر جرح و تنقید کرنے والا بذات خود مجروح ہو یعنی اس پر جرح کی گئی ہو تو اس کی جرح و تنقید کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۰۹) اور خیر سے علی زئی صاحب ایسی شخصیت ہیں کہ ان کے ایک سو، ۱۰۰ سے زائد جھوٹ کا اظہار تو صرف مولانا عبد الغفار ذہبی صاحب نے کیا ہے اس کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو مناظر اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی زیر نگرانی شائع ہونے والا رسالہ قافلۂ حق، ذہبی صاحب کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے ان کے جھوٹ واضح کئے

ہیں تو حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ جیسی مسلمہ علمی شخصیت پر علی زئی صاحب جیسے آدمی کی جرح وتنقید کا اعتبار کون کرسکتا ہے اجمالی طور پر تو علی زئی صاحب کے مضمون کا اتنا جواب ہی کافی ہے مگر ہم ذرا تفصیل سے ان اعتراضات پر تبصرہ بھی ضروری سمجھتے ہیں جو انہوں نے اپنے اس مضمون میں مقام ابی حنیفہ کی دس عبارات پر کئے ہیں۔

پہلی عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے محدث اسرائیل فرماتے تھے کہ نعمان بن ثابت کیا ہی خوب مرد تھے جو ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فقہ ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث وتمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فقہ کی تہ تک پہنچتے تھے۔ (بغدادی ص ۳۳۹ ج ۱۳) (مقام ابی حنیفہ ص ۲۷ نیز دیکھئے ص ۱۱۲) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں عرض ہے کہ تاریخ بغداد (ص ۳۳۹ ج ۱۳ ات ۷۲۹۷) اور کتاب اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصمیری ص ۹ کی اس روایت کی سند میں ابو العباس احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی المعروف بابن عطیہ راوی ہے، پھر علی زئی صاحب نے ابن الصلت کے کذاب اور وضاع ہونے پر محدثین کرام سے دس حوالے پیش کر کے لکھا کہ اس کذاب و وضاع کی روایت کو بطور حجت پیش کر کے سرفراز خان (صاحب) نے علمی وتحقیقی اور فنی کمال کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کذب نوازی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ (ماہنامہ الحدیث ص ۱۲ تا ص ۱۴)

الجواب

قارئین کرام! غیر مقلدین کی حالت یک چشم گل (ایک آنکھ والا) جیسی ہے جس کو ایک ہی طرف کی چیزیں نظر آتی ہیں اور دوسری طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے، غیر مقلدین کو بھی اپنے مطلب کی چند احادیث اور مطلب برآری کے بعض قواعد ہی نظر آتے ہیں، احادیث کے باقی تمام ذخیرہ اور قواعد کو وہ اپنی تعصب کے باعث بند آنکھ کی نذر کر دیتے ہیں، علی زئی صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے ابتداء مضمون میں اپنے قارئین کو اعتماد دلانے کے لئے **لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا** (الآیہ) کو بڑے طمطراق انداز میں پیش کیا ہے مگر عملاً انہوں نے تعصب کے دریا میں غوطہ لگا کر اس آئت کے مفہوم کی جو دھجیاں بکھیری ہیں وہ ان کا مضمون پڑھنے والے حضرات ہی جان سکتے ہیں۔

حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ کسی روایت کے مفہوم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حکم لگانے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں اور اس کی تمام اسناد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، کسی ایک سند کو ملحوظ رکھ کر حکم صادر نہیں کیا جاتا مگر علی زئی صاحب نے عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اس کی صرف ایک سند کی وجہ سے اس روایت کو موضوع اور متروک قرار دے دیا حالانکہ قواعد کی روشنی میں اس روایت کو موضوع کہنا بالکل غلط ہے اس لئے کہ حضرات محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق موضوع وہ روایت ہوتی ہے جس میں وضاع اور کذاب اور متھم بالکذب راوی اکیلا ہو یعنی وہ روایت اسی راوی سے مروی ہو کسی اور راوی سے ثابت نہ ہو (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۹) جب کہ یہ روایت احمد بن محمد بن الصلت کی سند کے علاوہ بھی ثابت ہے جیسا کہ امام ابن عبد البر المالکیؒ نے محدث اسرائیل کو امام اعظمؒ کی تعریف کرنے والوں میں شمار کیا ہے (ملاحظہ ہو الانتقاء ص ۲۱۴) اور امام عبد البر المالکیؒ کی سند میں ابن الصلت راوی نہیں ہے، اس لئے قاعدہ کے مطابق اس روایت کو موضوع کہنا بالکل غلط اور سراسر تعصب ہے، زیادہ سے زیادہ اس روایت کو سند کے لحاظ سے ضعیف کہا جا سکتا ہے اور محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق سند کے لحاظ سے ضعیف ہر روایت نا قابل احتجاج نہیں ہوتی بلکہ کئی صورتوں میں سند کے لحاظ سے ضعیف روایت بھی قابل احتجاج ہوتی ہے خصوصاً جبکہ اس کی صحت کا کوئی قرینہ پایا جاتا ہو، ان صورتوں میں ایک صورت یہ ہے کہ اس روایت کا مفہوم نفس الامر یعنی حقیقت کے مطابق ہو اور مذکورہ روایت نفس الامر کے مطابق ہے اس لئے کہ گنتی کے چند افراد کو چھوڑ کر باقی ساری امت خواہ احناف ہوں کہ غیر احناف ہوں مقلد ہوں یا غیر مقلد ہوں سب ہی امام ابو حنیفہؒ کو مجتہد تسلیم کرتے ہیں اور مجتہد اسی کو کہا جاتا ہے جو احکام کے ماخذ کو پوری طرح جانتا ہو اس کی تفصیل جاننے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب عقد الجید میں مذکور حقیقت اجتہاد کی بحث کا مطالعہ کرنا چاہیے، اور احکام کے بنیادی ماخذ تو قران اور احادیث ہی ہیں اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں اور وہ احادیث جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں ان کا جاننا مجتہد کے لئے ضروری ہے، اگر محدث اسرائیل کی روایت میں امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فقہ ہوتی تھی تو محدث اسرائیل کا قول نفس الامر کے مطابق ہے اگر محدث اسرائیل کا یہ قول نہ بھی ہوتا تو امام ابو حنیفہؒ کو مجتہد ماننے والے بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ
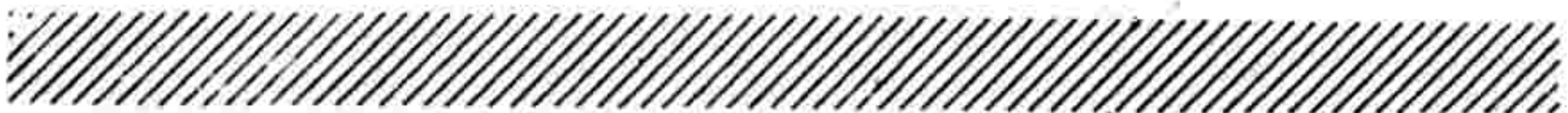
احکام کو ثابت کرنے والی قرآنی آیات اور احادیث کو خوب جانتے تھے اور محدث اسرائیل اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے تھے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کا یہ قول ثابت ہے بے شک اس کی سند ضعیف ہے، امام حنیفہؒ کا علمی مقام ایک مسلّمہ حقیقت ہے، جس کا اعتراف غیر مقلدین حضرات کو بھی ہے جیسا کہ ان کے ایک مفتی صاحب لکھتے ہیں، حضرت الامام ابوحنیفہؒ کا علم وفضل زہد وتقویٰ دِقّت نظر وسعت ادراک اسلام اور اس کی مصالح کے متعلق ان کے گہرے احساسات تاریخ اور علم رجال کی ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۵ ج ۳) اور حضرات محدثین کرام کا یہ قاعدہ بھی ہے کہ روایت کی سند بے شک ضعیف ہو مگر اس کو تعامل امت یا بعض اہل علم کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہو تو وہ قابل احتجاج ہوتی ہے اور تعامل امت کی وجہ سے ضعیف روایت کا قابل احتجاج ہونا غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلّم ہے جیسا کہ ان کے مفتی حضرات نے لکھا ہے، ایک جگہ لکھا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۱۰ ج ۱) دوسری جگہ لکھا ہے پس ضعف سند سے جو اس حدیث میں کمی آگئی تھی وہ اس عمل سے رفع ہوگئی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ ص ۱۶۶) ایک اور مقام میں لکھا ہے ضعیف حدیث کی تائید اقوال صحابہ یا تعامل امت سے ہو تو اس میں تقویت آجاتی ہے جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۲۱۲) اس قاعدہ سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اگر کوئی روایت سند کے لحاظ سے کمزور ہو مگر اس کے مطابق بعض اہل علم کا عمل ہو یا نظریہ کے لحاظ سے تائید حاصل ہو تو وہ روائت قابلِ حجت ہوتی ہے اور محدث اسرائیل کے قول کو صرف احناف کی ہی نہیں بلکہ شوافع حضرات کی تائید بھی حاصل ہے جن کی نمائندگی امام سیوطیؒ نے کی ہے اور مالکیہ کی تائید بھی حاصل ہے جن کی نمائندگی علامہ ابن عبدالبرؒ اور علامہ ابن حجر الہیثمیؒ وغیرہ نے کی ہے جب سند کے لحاظ سے کمزور روایت بعض اہل علم کے قبول کرنے کی وجہ سے قابل حجت ہوتی ہے تو جس روایت کو امت کی اکثریت نے قبول کیا ہو اس کے قابل حجت ہونے میں اس شخص کے سوا اور کون تردد کر سکتا ہے، جس کی آنکھوں میں تعصب کا موتیا چھایا ہوا ہو، باقی رہا یہ اعتراض کہ جب تاریخ بغداد کی سند میں ابن الصلت وضاع اور کذاب راوی ہے تو اس کی سند والی روایت کیوں نقل کی ہے دوسری سند سے نقل کیوں نہیں کی تو ہماری اس مذکورہ بحث سے اس اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ جب روایت قابل حجت ہوتی ہے تو اس میں راوی کی حیثیت وضاع اور کذاب کی

نہیں بلکہ ضعیف راوی کی ہوتی ہے اور ایسی روایت کو حوالہ میں پیش کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

دوسری عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا عبداللہ بن ادریس ایک موقع پر امام ابوحنیفہؒ کی آمد پر ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے اس پر ان کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابوبکر بن عیاش بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس شخص کے لئے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہؒ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے اگر میں ان کے علم کے لئے نہ کھڑا ہوتا تو ان کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہوتا اور اگر عمر کا لحاظ بھی نہ کرتا تو قسمت لکھیہ (ان کی فقہ کے لئے کھڑا ہوتا) اگر فقہ کے لئے بھی نہ کھڑا ہوتا تو ان کے زہد کے لئے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد ص ۳۴۱ ج ۱۳) (مقام ابی حنیفہ ص ۷۵) علی زئی صاحب نے اس کے راویوں پر جرح کرتے ہوئے لکھا کہ اس کا ایک راوی ابن عقدہ ہے پھر اس پر جرحی اقوال نقل کئے اور بعض دیگر راویوں پر بھی جرح نقل کر کے لکھا، خلاصہ یہ کہ یہ روایت ابن عقدہ رافضی اور چور کی وجہ سے موضوع ہے۔ (ص ۱۴ تا ۱۶)

الجواب

معلوم ہوتا ہے کہ علی زئی صاحب نے محدث عبداللہ بن ادریس کو اپنا ہم کلاس سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح مجھے بڑوں کی تعظیم و تکریم کی تعلیم نہیں دی گئی اسی طرح ان کی بھی حالت تھی، اسی وجہ سے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنے اس مضمون میں بھی حضرت امام اہل سنتؒ کے بارہ میں انتہائی گستاخانہ انداز اختیار کیا ہے نہ یہ لحاظ رکھا کہ وہ ہزاروں علماء وفضلاء کے استاد تھے، ہزاروں مریدوں کے شیخ و مربی تھے اور نہ ہی یہ لحاظ رکھا کہ وہ عمر کے لحاظ سے ان کے والد گرامی سے بھی بڑے تھے مگر علی زئی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللہ بن ادریس محدث تھے اور من لم یوقر کبیرنا فلیس منا جیسی احادیث پڑھتے پڑھاتے تھے، اس لئے آپ ان کو اپنے آپ پر قیاس نہ کریں، مذکورہ روایت میں عبداللہ بن ادریس محدث کی جانب سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پایۂ علم، فقہی مقام، زہد میں مرتبہ اور عمر میں بڑا ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے اور یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے جیسا کہ غیر مقلد مفتی صاحب کے حوالہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے، اور پہلے یہ قواعد بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اگر کوئی روایت نفس الامر کے مطابق ہو اور اہل علم کا اس کے مطابق عمل یا نظریہ ہو تو وہ روایت

قابل حجت ہوتی ہے، اور محدث عبد اللہ بن ادریس کی جانب سے امام اعظم کے مرتبہ کا اعتراف نفس الامر کے مطابق ہے اور امت کی اکثریت اس کو تسلیم کرتی ہے تو سند میں کمزوری کے باوجود یہ روایت محدثین اور فقہاء کے قواعد کے مطابق قابل حجت ہے۔

ہم نے پہلے یہ ذکر کیا کہ غیر مقلدین کی حالت یک چشم گل جیسی ہے علی زئی صاحب نے یہاں اسی کا مظاہرہ کیا ہے کہ تعصب کی وجہ سے ان کو ابن عقدہ کے بارہ میں صرف جرح ہی نظر آئی ہے اور دوسری جانب یہ نظر نہیں آیا کہ امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب التعقبات میں لکھا ہے کہ **ابن عقدہ من کبار الحفاظ وثقہ الناس وما ضعفہ الامتعصب** (بحوالہ تانیب الخطیب ص ۲۲۸) کہ ابن عقدہ بڑے حفاظ میں سے ہے لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کو صرف متعصب نے ہی ضعیف کہا ہے، امام سیوطیؒ کے اس ارشاد کی روشنی میں علی زئی صاحب کا ابن عقدہ کی وجہ سے روایت کو موضوع کہنا بالکل غلط ہے، پھر محدثین کے قاعدہ سے آنکھیں بند کر کے ہی علی زئی صاحب نے اس روایت کو موضوع کہا ہے اس لئے کہ محدثین کرام اس روایت کو موضوع کہتے ہیں جس میں وضاع اور کذاب راوی اکیلا ہو جبکہ خود علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ **اخبار ابی حنیفۃ للصمیری** میں اس روایت کی ایک اور سند ہے" (ص ۱۶) اور جو سند انہوں نے پیش کی ہے اس میں ابن عقدہ نہیں ہے تو محدثین کے قاعدہ کے مطابق اس کو موضوع کہنا بالکل غلط ہے، باقی رہا یہ کہ اس دوسری سند میں بھی ایسا راوی ہے جس کو وضاع کہا گیا ہے تو ہر روایت میں اگر چہ ایسا راوی ہے جس کو وضاع کہا گیا ہے مگر وہ راوی روایت کرنے میں اکیلا نہیں ہے جبکہ موضوع روایت کے لئے شرط ہے کہ وضاع راوی اکیلا ہو تو ایسی روایت کو موضوع نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ سند کے لحاظ سے ضعیف کہا جا سکتا ہے جو دیگر قواعد کو ساتھ ملا کر قابل حجت ہے، پھر اس بحث میں علی زئی صاحب نے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام اعظمؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد کو ضعیف ظاہر کیا ہے حالانکہ وہ محدثین کرام کے ہاں ثقہ راوی ہیں۔

تیسری عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں، سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے ابو مسلم المستملی نے امام ابو خالد یزید بن ہارون سے دریافت کیا کہ آپ کی ابو حنیفہ اور ان کی کتابیں دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں کسی ایک کو بھی ایسا

نہیں پایا جوان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو (مقام ابوحنیفہ ص ۷۶ بحوالہ تاریخ بغداد ص ۳۴۲ ج ۱۳) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ روایت میں احمد بن محمد بن الصلت کذاب ہے دیکھئے روایت نمبر ۱، عبداللہ بن محمد الحلوانی بھی کذاب ہے دیکھئے روایت نمبر ۲ یعنی یہ روایت موضوع ہے۔

الجواب

اس سے قبل کیے گئے اعتراض کے جواب میں واضح کیا گیا ہے کہ امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ عبداللہ بن محمد الحلوانی المعروف بابن عقدہ کو صرف متعصب نے ہی ضعیف کہا ہے اور اس کی توثیق بہت سے لوگوں نے کی ہے، اس لئے اس روایت کو موضوع قرار دینا علی زئی صاحب کا نرا تعصب ہے، پھر یہ روایت حدیث نہیں اور نہ ہی حلال وحرام کے مسئلہ میں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت میں مقام کے بارہ میں ہے جو ایک مسلمہ حقیقت ہے اور خود علی زئی صاحب کو تسلیم ہے کہ امام یزید بن ہارون نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں امام یزید بن ہارونؒ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو ابوحنیفہ سے زیادہ عقلمند، افضل اور زیادہ پرہیزگار کوئی دوسرا نہیں دیکھا، معلوم ہوا کہ امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہ کی تعریف ثابت ہے لیکن صریح توثیق ثابت نہیں، واللہ اعلم (ص ۱۷) اگر علی زئی صاحب نے تعصب کی عینک آنکھوں پر نہ رکھی ہوتی تو ان کو نظر آجاتا کہ امام اہل سنتؒ کی پیش کردہ عبارت میں بھی امام یزید بن ہارون سے امام اعظم کی تعریف ہی ثابت ہے، اس عبارت کو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے فقاہت میں مقام کے ضمن میں ذکر کیا ہے جبکہ امام صاحب کی ثقاہت کی بحث آگے جا کر کی ہے جب علی زئی صاحب کو اعتراف ہے کہ امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہ کی تعریف ثابت ہے اور مذکورہ عبارت بھی فقہی مقام کے بارہ میں ہے تو اس کے باوجود اعتراض کو جہالت یا تعصب کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ بڑے لوگ سچ کہتے ہیں کہ آدمی کو زیادہ غصہ نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ وہ غصہ میں بعض دفعہ ایسی باتیں کہہ دیتا ہے جو اس کے اپنے ہی خلاف ہوتی ہیں، علی زئی صاحب نے بھی غصہ میں ایسا ہی کیا، یہ بھی نہ سوچا کہ میرا کہا ہوا میرے اپنے خلاف ہی جا رہا ہے، علی زئی صاحب نے اعتراض کیا کہ یزید بن ہارون سے امام اعظم کی صریح توثیق ثابت نہیں اس لئے سرفراز خان صفدر کا یہ عبارت لانا درست نہیں حالانکہ نہ امام اہل سنت نے اس عبارت کو توثیق کے باب میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی اس مقصد کے لئے عبارت ذکر کی ہے مگر علی زئی صاحب نے خود جو عبارت ذکر کی ہے اس

میں امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہؒ کی صریح توثیق ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ حضرات محدثین کرام نے تعدیل کے جو کلمات ذکر کئے ہیں اگر ان کلمات کو اسم تفضیل کے صیغہ سے کسی کی وصف بیان کی جائے تو یہ تعدیل کا پہلا مرتبہ ہوتا ہے اور تعدیل کے کلمات میں خِیَارُ الْخَلْقِ بھی ہے یعنی مخلوق میں فضیلت والا (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۱) علی زئی صاحب نے امام یزید بن ہارون کے فرمان میں امام ابوحنیفہ کے بارہ میں افضل الناس اور اورع الناس ہونا ثابت کیا ہے اس سے زیادہ صریح توثیق اور کیا ہوگی؟ حضرت امام اہل سنت کی تردید کرتے کرتے غصہ میں علی زئی صاحب نے خود ہی اپنے خلاف ہتھیار مہیا کر دیا اور یقیناً یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام اہل سنت کی کرامت ہی ہے۔

چوتھی عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے کہا امام عبداللہ بن المبارک کے سامنے کسی شخص نے امام ابوحنیفہ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیر ببر کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویحک تعجب ہے تجھ پر، تو اس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضوء سے پڑھی ہیں اور جو رات کو پورا قرآن کریم دو رکعتوں میں ختم کرتا رہا ہے۔ (بغدادی ص ۳۵۵ ج ۱۳ و مناقب موفق ص ۲۳۶ ج ۱ و تبییض الصحیفہ ص ۳۵) (مقام ابی حنیفہ ص ۷۹، ص ۸۰) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں مجہول راوی ہیں جن کی وجہ سے یہ روایت موضوع ہے۔

الجواب

حضرات محدثین کرام تو مجہول راوی سے مروی روایت کو ضعیف کہتے ہیں مگر علی زئی صاحب ان کی پرواہ کئے بغیر اس کو موضوع قرار دے رہے ہیں، پھر اس روایت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت کا اعتراف ہے اور عبداللہ بن لمبارکؒ سے دیگر روایات میں بھی امام ابوحنیفہؒ کی عبادت کا ذکر موجود ہے، امام ابوحنیفہؒ کی جس انداز سے عبادت کا ذکر امام عبداللہ بن المبارکؒ کی روایات میں ہے اسی انداز کا ذکر مسعر بن کدامؒ، زافر بن سلیمانؒ اور عون بن عبداللہؒ جیسے حضرات کی روایات میں بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی روایت کی تائید کرتی ہیں بلکہ خود علی زئی صاحب کو تسلیم ہے کہ عبداللہ بن المبارکؒ سے مروی روایات میں امام ابوحنیفہؒ کی تعریف ہے اسی لئے لکھتے ہیں ان تعریفی روایات میں صریح توثیق کا کوئی ذکر

نہیں (ص ۱۸) اگر علی زئی صاحب تعصب کی عینک اتار کر دیکھتے تو ان کو ضرور نظر آ جاتا کہ حضرت امام اہل سنتؒ نے یہ روایت تعریف کے باب میں ہی ذکر فرمائی ہے توثیق کی بحث میں اس کو ذکر نہیں فرمایا اور تعریفی روایات کا اعتراف خود ان کو بھی ہے تو اس کے باوجود اعتراض صرف اور صرف غیر مقلدانہ جسارت ہی ہو سکتی ہے، باقی رہا علی زئی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تمام روایات دوسری صحیح روایات کی رو سے منسوخ ہیں تو یہ بالکل جھوٹ ہے اس لئے کہ کسی ایک روایت سے بھی عبداللہ بن المبارکؒ سے ان روایات کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اگر جرأت اور اپنے دعویٰ کا پاس ہے تو علی زئی صاحب کوئی ایک روایت حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے ثابت کریں جس میں انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت اور ورع کا انکار کیا ہو، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین.

پانچویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا نظر بن شمیل فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر دخفتہ تھے، ابوحنیفہ نے ان کو جگایا ہے (بغدادی ص ۳۴۵ ج ۱۳) (مقام ابی حنیفہ ص ۸۱) اس پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ روایت میں احمد بن الصلت الحمانی کذاب ہے۔ (ص ۱۹)

الجواب

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ لوگوں کو فقہ کی جانب توجہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہی دلائی ہے اور ان سے ہی فقہ اسلامی کو عروج حاصل ہوا اور جو روایت حقیقت کے مطابق ہو اگر چہ اس کی سند کمزور ہو وہ روایت حضرات محدثین کرام کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے، جب امام ابوحنیفہؒ کی اس حیثیت کو امت مسلمہ نے تسلیم کیا ہے تو اس روایت کو تعامل امت حاصل ہے، نیز اس روایت کی تائید امام شافعیؒ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے کہ الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے خوشہ چین ہیں، جب نظر بن شمیل کا قول حقیقت کے مطابق بھی ہے اور اس پر تعامل امت بھی ہے اور اس کے مفہوم کو دیگر روایات کی تائید بھی حاصل ہے تو یہ روایت حضرات محدثین کرام کے قواعد کے مطابق قابل حجت ہے، محض سند کی کمزوری کا بہانہ بنا کر اس کو رد وہی شخص کر سکتا ہے جو صرف اپنے مرضی کے قاعدہ کو جانتا ہو اور دیگر

مسلمہ قوانین سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتا ہو۔

چھٹی عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے، محمد بن بشر کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا تو جب میں سفیان کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے تم کہاں سے آئے ہو میں کہتا کہ ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ واقعی تم تو زمین کے فقیہ تر انسان کے پاس سے آئے ہو (بغدادی ص ۳۴۴ ج ۱۳) مقام ابی حنیفہ ص ۸۰) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت میں عمر بن شھاب العبدی راوی ہے جس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملے اور نہ کسی سے اس کی توثیق ثابت ہے لہٰذا یہ مجہول ہے، خلاصہ یہ کہ یہ روایت عمر بن شھاب کے مجہول ہونے کی وجہ سے موضوع ہے اور امام سفیان ثوریؒ سے جرح کی متواتر روایات کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے منکر ومردود ہے۔ (ص ۱۹)

الجواب

محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق تو مجہول راوی کی روایت کو موضوع نہیں کہتے، اس پر موضوع ہونے کا حکم صرف غیر مقلدانہ سوچ کا نتیجہ ہی ہے پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کا افقہ الناس ہونا تو مسلّم ہے جس کا خود اعتراف کرتے ہوئے علی زئی صاحب نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا قول نقل کیا ہے **وا ما افقه الناس فابو حنيفة** لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہیں۔ (ص ۱۸) نیز امام بخاریؒ کے استاد مکی بن ابراہیم نے حضرت امام صاحب کے بارہ میں فرمایا **کان اعلم اهل زمانه** (مقدمہ اعلاء السنن ص ۸ ج ۳) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، جب محمد بن بشر کی روایت میں پایا جانا مفہوم مسلّم ہے اور اس کو دیگر روایات سے تائید بھی حاصل ہے تو اس کا انکار متعصب اور ضدی کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا، علی زئی صاحب کا یہ کہنا بالکل باطل ہے کہ یہ روایت منکر اور مردود ہے اس لئے کہ امام سفیان ثوریؒ سے کسی ایک روایت میں بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس فقہی حیثیت کا انکار کیا ہے، جرأت ہے تو کوئی ایک ایسی روایت پیش کی جائے، مگر

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ساتویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ سرفراز خان صفدر نے کہا امام صدر الائمہ مکی اپنی سند کے ساتھ امام زفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمٰن وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل ان سے دریافت کرتے تھے جوان کو درپیش ہوتے تھے اور جس حدیث کے بارے میں ان کو اشتباہ ہوتا تھا اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے (مناقب موفق ص ۱۴۹ ج ۲) (مقام ابی حنیفہ ص ۱۱۳)

اس روایت پر علی زئی صاحب نے تین اعتراضات کئے ہیں، پہلا اعتراض یہ کہ صدر الائمہ موفق مکی معتزلی اور رافضی تھا، دوسرا اعتراض یہ کے اس موفق کا استاد ابو محمد الحارثی ہے جس کے بارے میں ابو محمد الحافظ وغیرہ نے بتایا کہ وہ حدیث بناتا تھا اور تیسرا اعتراض یہ کہ حارثی کا مزعوم استاد اسماعیل بن بشر مجہول ہے، معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ (ص ۲۰)

الجواب

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صدر الائمہ معتزلی اور رافضی تھے تب بھی روایت کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ صحاح ستہ میں بلکہ صحیحین میں بیسیوں راوی ایسے ہیں جن پر معتزلی اور رافضی ہونے کا الزام ہے اس کے باوجود ان کی روایت لی جاتی ہے۔

علی زئی صاحب کا دوسرا اعترض یہ ہے کہ ابو محمد الحارثی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حدیث بناتا تھا تو عرض ہے کہ صرف ان جرحی کلمات کی جانب ہی نظر نہیں گاڑھ دینی چاہیے بلکہ ان کے بارہ میں محدثین کرام نے جو تعریفی کلمات فرمائے ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، علامہ ذہبیؒ نے قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں ان کے سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس سال مندرجہ ذیل علماء نے بھی وفات پائی، ماوراء النہر کے عالم اور محدث امام علامہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث حارثی بخاری جو استاد کے لقب سے ملقب تھے اور مسند امام ابوحنیفہ کے مؤلف ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو ص ۵۹۰، ۵۹۱، ج ۳) علامہ ذہبیؒ نے ابو محمد الحارثی

کو عالم، محدث، علامہ، امام اور استاد لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے انہیں حافظ الحدیث لکھا ہے (تعجیل المنفعۃ بحوالہ وسط ایشیاء میں فقہ حنفی کا ارتقاء ص ۲۳۴) پھر ابو محمد الحارثی پر اس جرح کا جواب عبدالقادر القرشی نے دیا ہے کہ عبداللہ بن محمد کا درجہ ان جرح کرنے والوں سے بہت بلند ہے۔ (الجواہر المضیۃ ص ۲۹۰ بحوالہ مقدمہ انوار الباری ص ۸۳ ج ۲)

علی زئی صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اسماعیل بن بشر مجہول ہے، تو عرض ہے کہ اگر یہ راوی مجہول بھی ہو تو اس کی وجہ سے روایت پر موضوع ہونے کا حکم محدثین کے قواعد کے مطابق نہیں لگ سکتا یہ صرف غیر مقلدانہ سوچ وفکر کا نتیجہ ہے۔

اس روایت میں جو بیان ہوا ہے کہ یہ حضرات امام ابو حنیفہؒ کے پاس آتے جاتے تھے اور مسائل دریافت کرتے تھے تو یہ کوئی بعید نہیں ہے اس لئے کہ عبدالملک بن ابی سلیمان کوفہ ہی کے رہنے والے تھے ایک ہی شہر میں رہنے والے محدث کا شہرت یافتہ فقیہ اور امام کے پاس جانا کون سی بعید بات ہے، اور زکریا بن ابی زائدہ تو مسانید میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت بھی کرتے ہیں (مقدمہ انوار الباری ص ۲۰۸ ج ۱) انہوں نے اپنے بیٹے یحییٰ سے کہا تھا یا بنی علیک بالنعمان بن ثابت (مقدمہ اعلاء السنن ص ۸۶ ج ۳) اے میرے بیٹے نعمان بن ثابت کو لازم پکڑ، اور ان کے بیٹے تو امام صاحب کے نامور تلامذہ میں سے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۱۳ ج ۱) جب روایت موضوع بھی نہیں بلکہ سند کے لحاظ سے کسی قدر کمزور ہے اور اس کو قبول کرنے کے قرائن بھی موجود ہیں تو اس کو قبول کرنا نہ کوئی جرم ہے اور نہ ہی یہ حضرات محدثین کرام کے قواعد کے خلاف ہے۔

آٹھویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان نے لکھا ہے چنانچہ امام صدر الائمہ مکی امام حسن بن زیاد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں، دو ہزار صرف حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے (مناقب موفق ص ۹۶ ج ۱) (مقام ابی حنیفہ ص ۱۱۶) علی زئی صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت تین وجہ سے موضوع ہے، اول آل تقلید کا صدر الائمہ رافضی اور معتزلی تھا

دیکھئے روایت نمبر ۷، دوم موفق رافضی و معتزلی اور حسن بن زیاد اللؤلؤی کے درمیان سند غائب ہے، اس رافضی کی پیدائش سے پہلے حسن بن زیاد مر گیا تھا لہٰذا اس روایت کی سند کہاں ہے؟ سوم حسن بن زیاد مشہور کذاب تھا۔ (ص ۲۰، ۲۱)

الجواب

اہل علم کے قوانین کی روشنی میں علی زئی صاحب کی بیان کردہ وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ بھی روایت کے موضوع قرار دینے کا سبب نہیں بنتی، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر صدر الائمہ کا رافضی اور معتزلی ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس کی وجہ سے روایت موضوع نہیں بنتی، پھر امام صاحب کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم کہا گیا ہے اور کثرت سے حدیث بیان کرنے والا کہا گیا ہے، ان کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار کے قریب بتائی گئی ہے اور وہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی خدمت میں بیس سال کے قریب رہے ہیں تو ایسی صورت میں حماد سے دو ہزار روایات کرنا اور دیگر اساتذہ سے دو ہزار روایات کرنا کوئی بعید بات نہیں ہے اور پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روایت کو سند ضعیف کے باوجود صحت کے قرائن پائے جانے کی وجہ سے اور تلقی بالقبول کی وجہ سے تسلیم کیا جاتا ہے (مقدمہ اعلاء السنن ص ۳۹ ج ۱) پھر علی زئی صاحب نے بدترین تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام حسن بن زیاد کو مشہور کذاب کہا حالانکہ وہ تو مستدرک حاکم کے راوی ہیں جس کی تخریج صحیحین کی شرط پر کی گئی ہے اور صحیح ابو عوانہ کے بھی راوی ہیں جس کی تخریج صحیح مسلم کی شرط پر کی گئی ہے جو راوی شیخین یعنی بخاری اور مسلم کی شرط پر پورا اترتا ہو اس کو کذاب وہی کہہ سکتا ہے جس کی آنکھوں پر تعصب اور جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہو، پھر علی زئی صاحب نے امام حسن بن زیاد کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا نیز ایک دفعہ ایک بچے امام نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا کہ اس نے نماز میں سجدہ کے دوران میں ایک لڑکے کا بوسہ لے لیا تھا، ایسے گندے کذاب کی روایت سے سرفراز خان کڑمنگی نے استدلال کر کے اپنے بارے میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ علم و تحقیق اور انصاف سے یہ شخص (سرفراز خان) بہت دور تھا اور ترویج اکاذیب میں بہت مصروف تھا (ص ۲۱۔۲۲) امام حسن بن زیاد پر جن الزامات کا ذکر علی زئی صاحب نے کیا ہے ان الزامات کی تردید اور الزامات والی روایات
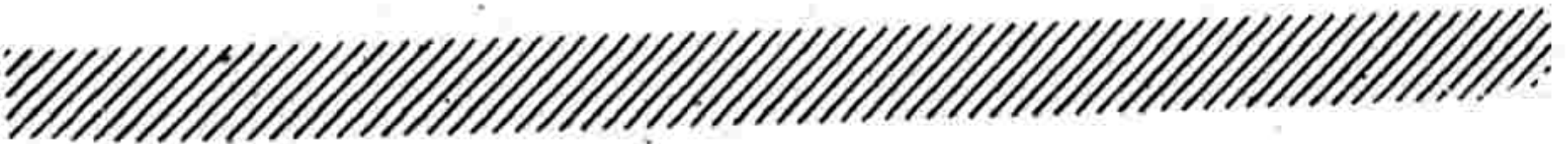
کا جواب علامہ کوثریؒ نے تانیب الخطیب ص ۲۷۴ میں دیا ہے کہ یہ من گھڑت روایات ہیں اسی طرح لکھا کہ جن روایات میں یحیٰی بن معین اور یعقوب بن سفیان وغیرہ سے امام حسن بن زیاد کی تضعیف وتکذیب نقل کی گئی ہے وہ روایات بھی جھوٹے، متعصب اور مردود القول راویوں سے ہیں اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس شخصیت کو علی زئی صاحب نے گندا اور کذاب کہا ہے اس کا ذکر اہل علم محدثین نے بہترین الفاظ میں فرمایا ہے، حافظ احمد بن عبدالحمید فرماتے تھے کہ میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ اچھے اخلاق والا کسی کو نہیں دیکھا، اور امام بخاریؒ کے استاد یحیٰی بن آدم نے کہا کان محبا للسنة و اتباعها (مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۴۳۔۱۴۴ ج ۳) کہ حسن بن زیاد سنت سے محبت رکھنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے تھے۔

نویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے امام ابوزکریا یحیی بن معین سے دریافت کیا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں سچے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔ (جامع بیان العلم ص ۱۴۹ ج ۲) (مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۸) اس عبارت پر علی زئی صاحب نے دو اعتراض کئے ہیں، ایک یہ کہ اس کا راوی محمد بن الحسین الازدی ضعیف ہے اور دوسرا یہ کہ ازدی نے امام ابن معین تک کوئی سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ بے سند و مجروح روایت موضوع ہے۔ (ص ۲۲)

علی زئی صاحب کے یہ دونوں اعتراض حضرات محدثین کرام کے قواعد کے سامنے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے کا نتیجہ ہیں ورنہ ان کو نظر آ جاتا کہ الازدی اتنا ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روائت کو موضوع قرار دیا جاتا پھر ان کو محدثین کرام کا یہ طریق بھی نظر آ جاتا کہ وہ ایک روایت کو باسند نقل کرنے کے بعد اسی مفہوم کی منقطع اور کمزور روایت کو بھی بعض دفعہ نقل کر دیتے ہیں، علامہ ابن البرؒ محدث ہیں اور محدثین کرام کے طریق سے واقف بھی ہیں اس لئے انہوں نے پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی فقیل له اکان ابو حنیفة یکذب فقال کان انبل من ذالک (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۴۹ ج ۲) یحیٰی بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ جھوٹ بولتے تھے تو انہوں نے کہا کہ وہ اس سے بہت بلند شان تھے، اگلی روایت کا مفہوم بھی اسی کے مطابق ہے اس لئے اس کمزور اور منقطع روایت کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین کرام

کے طریق کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے جبکہ امام ابن معین سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کان ابو حنیفة ثقة فی الحدیث (تہذیب التھذیب ص ۴۵۰ ج ۱۰) امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے اور فن حدیث سے معمولی مناسبت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حدیث میں ثقہ وہی ہوتا ہے جو سچا ہو۔

دسویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان نے کہا حضرت روح بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریج کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر آ گئی ابن جریج نے اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ فرمایا ای علم ذہب (بغدادی ص ۳۳۸ ج ۱۳) کتنا بڑا علم رخصت ہو گیا (مقام ابی حنیفہ ص ۷۱، ۷۲) اس پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس کا راوی ابو محمد عبداللہ بن جابر ذاہب الحدیث اور منکر الحدیث ہے وہ حدیث میں گیا گزرا ہے وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کی توثیق نہیں ملی، اور اس کے شاگرد ابوالحسن احمد بن جعفر کی توثیق نہیں ملی یعنی وہ بھی مجہول تھا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ (ص ۲۲، ۲۳)

علی زئی صاحب کا اس روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگانا جہالت یا آنکھوں پر تعصب کی پٹی کی وجہ سے ہے، حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ کسی روایت کے مفہوم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حکم اس کے بارہ میں تمام طرق کو ملحوظ رکھ کر لگایا جاتا ہے کسی ایک طریق کو پیش نظر رکھ کر حکم لگانا جہالت اور بددیانتی ہوتی ہے، امام ابن جریج کے اسی قول کو امام ابن عبدالبر المالکی نے الانتقاء ص ۲۰۹ میں اپنی ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں نہ عبداللہ بن جابر ہے اور نہ ہی اس کا شاگرد ابوالحسن ہے، جب اس کی سند اور بھی ہے تو اس روایت کو موضوع قرار دینا نری جہالت اور سراسر تعصب کا مظاہرہ ہے۔

علی زئی صاحب کا ایک اور اعتراض

علی زئی صاحب نے اپنے اس مضمون کے آخر میں اعتراض کیا ہے کہ محمد بن اسحاق (جو کہ ابن الندیم کے لقب سے مشہور ہے) معتزلی اور شیعہ تھا، اس شیعہ معتزلی رافضی کی توثیق کسی قابل اعتماد محدث سے ثابت نہیں ہے مگر سرفراز خان صفدر نے بار بار اس کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔
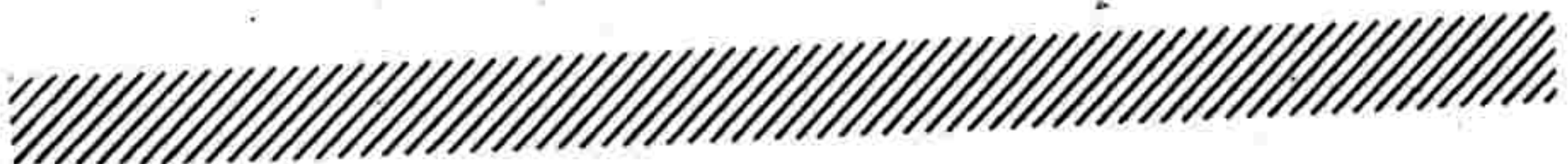
الجواب

ابن الندیم کے اقوال سے استدلال کسی فقہی مسئلہ یا فن حدیث کے متعلق نہیں کیا گیا بلکہ ایک مؤرخ کی حیثیت سے تاریخی واقعات میں کیا گیا ہے اور جو شخص جس فن کا ماہر ہو اسی میں اس کی حیثیت کا اعتبار کیا جاتا ہے جب وہ مؤرخ ہے تو مؤرخین کی رائے ہی اس کے بارہ میں لی جائیگی کہ وہ اس کو کیا درجہ دیتے ہیں یہ کہنا کہ اس کی توثیق کسی قابل اعتماد محدث سے ثابت نہیں یقیناً یہ بات اہل علم کے ہاں احمقانہ اور انتہائی مضحکہ خیز ہے، علی زئی صاحب کو اگر ابن الندیم سے تاریخی واقعات میں استدلال پسند نہیں اور اس پر ان کو غصہ آتا ہے تو پہلے اس سے زیادہ جرم کے مرتکب اپنے ہم مسلک مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کا گریبان پکڑیں جنہوں نے ابن اندیم کی اسی فہرست نامی کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کی خدمت سرانجام دی ہے اور اسکی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

علی زئی صاحب کا عام مسلمانوں کو مشورہ

اسی مضمون کے آخر میں علی زئی صاحب حضرت امام اہل سنتؒ کی کتابوں سے تنفر دلانے کے لئے لکھتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ سرفراز خان صفدر کی کتابوں میں علمی و تحقیقی وفنی کمالات کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا گیا بلکہ جھوٹی روایات اور غیر ثابت اقوال پھیلانے کا بہت بڑا مظاہرہ کیا گیا ہے لہٰذا عام مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے بچ کر رہیں اور اپنی آخرت خراب نہ کریں۔

الجواب: حضرت امام اہل سنتؒ کی کتابوں کی افادیت کا اعتراف ان کے مخالفین نے بھی کیا ہے، علی زئی صاحب نے صرف اپنے تعصب اور حسد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا کہا ہے ورنہ بفضلہ تعالیٰ حضرت امام اہلسنت کی کتابوں سے ہزارہا لوگوں نے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں اور یہ کتابیں عالم اسباب میں بہت سے حضرات کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنی ہیں، اس لئے جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت ہے ان کو ضرور ہدایت ملے گی، علی زئی صاحب اور ان جیسے حضرات کے تنفر دلانے سے کچھ نہیں بنے گا اس لئے کہ **لا تسمعوا لهٰذا القران والغوا فيه** کا حربہ پرانا چلا آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا الٰہ العالمین۔